عجائباتِ شاعری
(ارتقائے سُخن)
الحاج امیر اللہ عنبرؔ خلیقی

عجائباتِ شاعری

(اِرتقائے سُخَنُ)

صنعتی اور تکنیکی لحاظ سے کی گئیں کاوشات

الحاج امیر اللہ عنبرؔ خلیقی

مرکز فلاح العوام، ناگپور

نام کتاب	:	عجائباتِ شاعری (اِرتقائے سخن)
مصنف	:	الحاج امیر اللہ عنبرؔ خلیقی (ناگپور)
ناشر	:	رضوان احمد عنبرؔ
سرورق	:	عنبرؔ خلیقی
کمپوزنگ	:	رضوان احمد۔ مظفر انیق
طباعت	:	ذیشان انیق پریس، مومن پوہ، ناگپور
سال اشاعت	:	۲۰۱۲ء
ھدیۂ اعانت	:	۱۵۰ روپئے

ملنے کے پتے

☆ عنبرؔ خلیقی منزل، قبرستان روڈ، مومن پورہ، ناگپور (مہاراشٹر)

☆ صالحہ بک ٹریڈرس۔ جامع مسجد، مومن پورہ، ناگپور (مہاراشٹر)

☆ ذیشان انیق پریس۔ مومن پوہ، ناگپور (مہاراشٹر)

☆ پروفیسر اقتدار افسر۔ نزد مسجد دارالمہام، پاتر پری گھاٹ، بھوپال (ایم پی)

اِنتِساب

میں اِس کتاب کو، اِک حَسین زبان، اَور اِس زَبان کو حُسنِ بَیان اور فِراسَت کے ساتھ بولنے والوں کے نام مَعنُون کرتا ہوں، جس زَبان میں پہلی مَرتبہ مَیں نے بولنا سیکھا۔

وہ حَسین تَرین زَبان اُردو ہے، جِس کی خُوبصُورتی اور دِل کشی، تَرنّم اور اَدائیگی، دونوں لحاظ سے مُسلّم اور مُستَند ہے۔

اَے! حَسین اُردوئے دِل نَشیں تِری سَربلندی کے واسطے
جو اَثاثِ دِل مِرے پاس تھا تِری اَنجمُن میں لگا دیا

امیر اللہ عنبر خلیقی

توجیہات

اِرتقاء کے واسطے عنبرؔ ضروری اِس لئے
ہم نے تو اپنا لیا ہے آج دُشواری کا فنَ

☆☆☆☆☆

اِرتقائے شاعری اُس وقت مُمکن ہو سکے
جب قلم کی جُنبِشوں سے فنَ نچوڑا جائے گا

☆☆☆☆☆

جذبۂ فنَ کا تقاضہ ہے، الگ اَنداز سے
شِعر میں کچھ مُنفرد نُدرت کی تنویریں اُتار

☆☆☆☆☆

گزُرے ہیں بہت سخت زمینوں سے سخُن کی
ہے اپنی طبع ہی رَہِ دُشوار کی طالِب

پھُولوں کا شغف اُن کی طبیعت میں رہا ہے
عنبرؔ کی تو فطرت ہی رَہی خار کی طالِب

☆☆☆☆☆

کچھ ہماری سنو!

کُچھ نہیں بہت کچُھ کہنا ہے اِس لئے کہ

"کہی نہ، جائے تو پہونچے گی بات پھر کیسے؟"

دیندار اور تاجر بزُرگ حضرت حاجی خیر اللہ، "جو شاعری کیلئے خلیق تخلص فرماتے تھے"، کے گھر میں ۱۹۳۲ء میں میری پیدائش ہوئی۔ ان کا میں چوتھا اور آخری فرزند ہوا۔ ان کی فراہم کردہ دینی تعلیمات سے مجھے دین کا شعور اور شعری تعلیمات سے سخن کا شعور اور دنیاوی تعلیمات سے مجھے سِول انجینیر نگ (Civil Engineering) کی تعلیم ملی اور پھر ذاتی محنت اور انتھک کاوشوں سے ترقی کر کے آرکیٹیکٹ (Architect) جیسے باوقار اور باعظمت مقام تک پہونچا۔

میرے تایا حضرت عبدالستار مضطر برہانپوری، والد حضرت حاجی خیر اللہ خلیق اور بڑے بھائی حضرت ہِدایتُ اللہ ہادیؔ "مرحُومین" وقت کے مُستند اور عظیم شاعر تھے۔ ان بزرگوں کے زیرِ سایہ پرورش پاتے ہوئے اُن کے شاعِرانہ تاثُرات اور ذاتی عمیق مطالعے کی وجہ سے شِعر و سُخن سے ذِہنی وابستگی ہوگئی۔

فِطری مُشکل پسندانہ جذبوں نے جہاں انجینیرنگ میں ڈیزائینوں کی نئی راہیں دِکھائیں وَہیں شِعر و سخن نے بھی مجبور کیا کہ مُروّجہ راہوں سے ہٹ کر صنعتی اور تکنیکی لحاظ سے اُردو شاعری کی ترویج اور ترقی کے لئے "اِرتقائے سخن" کے کچھ کارِ خاص کئے جائیں، جن کی تمثیل اُردو شاعری کی تاریخ اور تہذیب میں کہیں نہ ملتی ہو۔

اِس کے لئے شِعر و سُخن کو ذُوق و شوق اور تفریحی میدان سے نِکال کر اُسے ایک

تجربہ گاہ میں لانا پڑا اور یہاں فکر و خیال اور زبان و بیان کے نت نئے تجربات کرنے پڑے۔ صنعتی اور تکنیکی لحاظ کی وہ تمام تجرباتی کاوشات "ارتقائے سخن" کے شعبے میں آپ کے سامنے ہیں۔ اساتذہ، بزرگوں اور اہلِ مطالعہ کی آراء کے مطابق معلوم ہوا کہ ان تمام کاوشات کی تمثیل اردو شاعری کی تاریخ اور تہذیب میں نہیں ملتی اور واقعی یہ اردو زبان کی ترویج اور ارتقاء کے لئے کئے گئے کارِ عظیم ہیں۔ اب دیگر اہلِ فن اور اہلِ علم و ہنر حضرات کی رائے کا حق ان تجربات کی کامیابی کے بارے میں اظہار کے لئے محفوظ ہے۔

اگر یہ تجربات کامیاب ہیں تو اس کی وجہ اردو زبان کی صلاحیت (Ability)، گیرائی اور استطاعت (Potential)، اور پھیلاؤ (Vastness) اس کے معاون ہیں۔ اردو زبان سے میری بے انتہا محبت اور لگاؤ اور حد درجہ دشواریوں سے گزر جانے کا جذبہ ہی اس کارِ سخن میں میرے معاون رہے۔

"ارتقائے سخن" میں پیش کی گئی اپنی کاوشات کے بارے میں عرض کرتا ہوں کہ بطور تمثیل یہ مانا جائے کہ ایک راستے پر بے شمار لوگ چل رہے ہیں۔ اسی راستے پر ایک فٹ چوڑی کھائی آجاتی ہے تو بھی اُسے پھلانگ کر چلتے رہیں گے۔ دو فٹ چوڑی کھائی آجاتی ہے تو معدودے چند ہوں گے جو اسے پھلانگ نہ سکیں لیکن زیادہ تر ہوں گے جو اسے پھلانگ کر گزر جائیں گے۔ اگر تین فٹ چوڑی کھائی آجاتی ہے تو کچھ ہی ہوں گے جو اسے پھلانگ جائیں لیکن زیادہ تر لوگ اُسے پھلانگ کر گزر نہیں سکیں گے۔ اور اگر چار فٹ یا پانچ فٹ چوڑی کھائی آجاتی ہے تو کوئی انھیں پھلانگ کر گزر نہیں سکے گا اور سبھی یہاں رُک جائیں گے۔

اب یہاں کوئی شخص چار یا پانچ ہی نہیں چھ فٹ چوڑی کھائی اپنی قوت، صلاحیت

اور مہارت سے پھلانگ جاتا ہے تو اُسے یہاں غیر معمولی، بے مثال اور منفرد (Genius) کہیں گے کہ نہیں؟

بالکل یہی تمثیل اگر شعر وسخن کے ضمن میں آجائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ ایک قافئے کے لوازمے سے تو ہر شاعر اشعار کو نظم کرتا ہی رہتا ہے لیکن دو قافئے کے لوازمے سے تو چند شاعر ہی شعر نظم کر پاتے ہیں۔ جن کی تمثیل دُنیائے سخن میں مل جاتی ہے۔ لیکن تین، چار، پانچ اور چھ قوافی جیسے اِلتزام سے کہے گئے اشعار کی غزلوں کی تمثیل اُردو شاعری کی تاریخ میں کہیں نہیں مل پاتی۔

با مقصد اور اہم مضامین پر مشتمل اشعار کی ذو قافیہ، سہ قافیہ، چہار قافیہ، پنج قافیہ اور شش قافیہ غزلیں آپ کے ملاحظے کے لئے ''ارتقائے سخن'' میں آپ کے سامنے ہیں۔

''اِرتقائے سخن'' کے لئے ہی ترتیب دی گئی نظمیں ''اِقتضائے توحید'' اور ''دورِ نَو کا اَلمیہ'' مُشکِل ترین طرزِ سخن کی آئینہ دار ہیں۔ 'الف' سے 'ی' تک تمام حروفِ تہجی کی ترتیب کو قائم رکھتے ہوئے ایک کے بعد ایک شعر یوں کہے جائیں کہ نظم کے نفس مضمون کا رابطہ بھی قائم رہے اور پوری نظم ''الف'' سے شروع ہو کر ''ی'' پر اس پابندی سے ختم ہو کہ جس حرف سے پہلا شعر شروع ہو اس کے بعد والے حرف پر ختم ہو اور دوسرا شعر جس حرف سے شروع ہو اس کے بعد والے حرف پر ختم ہو اور یہ ترتیب پوری نظم میں قائم رہے۔

نظم ''اقتضائے توحید'' میں یہ حُروفی ترتیب دو جگہ ہے ایک شعر کے شروع میں ایک آخر میں لیکن نظم ''دورِ نو کا المیہ'' میں یہ حروفی ترتیب تین جگہ آ کر ہر شعر کو مطلع بند کرتی جاتی ہے۔ اِس قدر جاں فِشانی دِماغ سوزی عرق ریزی اور بے پناہ مہارت سے کی گئی ان کاوشات کی تمثیل کیا شاعری کی تاریخ میں مل پائے گی؟

اُستاد ''رفیع احمد سوداؔ'' نے جب بتم چار، الم چار کے قافئے اور ردیف کو لے کر چار عنُوانات قائم کر کے غزل کہی تھی تو وقت کے اہلِ علم و ہنر اور اہلِ ذوق حضرات نے انھیں ''قادرالکلام'' کا خطاب دیا تھا۔ یہاں ''ارتقائے سخن'' میں تین عنوان، چار عنوان، پانچ عنوان اور چھ عنوان کی غزلیں شامل ہیں۔ انھیں دنیائے سخن کیا مقام دے گی؟

مختصر ترین بحر کی غزل، منقوط غزل، غیر منقوط غزل، ان کے علاوہ ایسی غزلیں جن کے پہلے شعر یا مطلعے کا قافیہ جس لفظ میں آئے اس لفظ سے دوسرے شعر کی ابتدا ہو اور دوسرے شعر کا قافیہ جس لفظ میں آئے اسی لفظ سے تیسرے شعر کی ابتدا ہو۔ اسی ترتیب اور پابندی سے پوری غزل کی تکمیل ہو۔ ایسی کاوشات کے نمونے بھی آپ کو ''ارتقائے سخن'' میں مل جائیں گے۔

''زندگی'' اور ''آزاد وطن کے قیدی'' کے عنوان جیسی وہ نظمیں ہیں جو غزل کے اُسلوب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے مسلسل مصرعوں کے ایک منفرد اختراعی انداز بیان میں کہی گئی ہیں۔ ان غزلوں کے اسلوب میں کہی گئی نظموں کی غنائی تمثیل شاید ہی کہیں مل سکے۔

شعبۂ ''ارتقائے سخن'' میں شامل تمام کاوشات اردو زبان کی ترویج اور ارتقاء کے لئے کی گئی تجرباتی کوششیں ہیں۔ جن میں صنعت اور تکنیک کا استعمال کر کے الفاظ کو شدید ہی نہیں شدید ترین پابندیوں میں رکھ کر اشعار کو نظم کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ اس غیر معمولی کارِ سخن کو انجام دینے کا حوصلہ مجھے اُردو زبان سے بے پناہ محبت اور اُردو شاعری اور شعرائے کرام سے دلی لگاؤ نے دیا ہے۔

خصوصی بات یہ ہے کہ اگر اُردو زبان میں گنجائش (Capacity)، صلاحیت (Ability)، اور استطاعت (Potential) جیسے بے پناہ لوازمے نہ ہوتے تو ان تجرباتی

کاوشات کی کامیابی ممکن نہ ہوتی۔ یہ اردو زبان کی عظمت ہے جس نے اس منفرد اور نادر کارِ سخن کو کامیابی سے انجام دینے میں معاونت کی اور کچھ میرے مشکل پسندانہ جذبوں نے سہارا دیا ہے۔

صرف آسانی ہو عنبؔر تو مزہ جینے کا کیا
مشکلوں سے بھی ہمیں دوچار ہونا چاہیے

حد درجہ مشکل پسندی، عرق ریزی اور دماغ سوزی سے کام لے کر جو کچھ مجھ سے بن سکا، اسے نظم کر کے ان کاوشات کو "ارتقائے سخن" کے نام سے اہلِ بصیرت، اہلِ فن، اہلِ ذوق ونظر اور اہلِ علم وہنر کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

اس لئے عنبؔر نے تھاما ہاتھ میں اپنے قلم
پیش کرنے ہیں اُسے اپنی لیاقت کے حروف

گر قبول افتد زہے عز و شرف

امیر اللہ عنبؔر خلیقی
مومن پورہ، ناگپور۔

☆☆☆

اظہارِ حقیقت

آندھیوں کو ذرا خبر کر دو
اِک چراغ اور جلنے والا ہے

اُردو شاعری کی تاریخ اور تہذیب کے اوّلین روشن چراغ، امیر خسرؔو، علی قلی قطب شاہ، ولؔی دکنی، اور میر تقی میرؔ نے شعروسخن کی روشنی پھیلا کر اُردو کے شعری ادب کے دامن کو روشن کیا۔ پھر بیخوؔد، سوداؔ اور اُستاد ذوقؔ جیسے اُستادانہ چراغ ہائے سخن کی لو سے شاہ ظفرؔ، غالبؔ، مومنؔ اور آشفتہؔ جیسے چراغ روشن ہوئے۔ ان چراغوں نے داغؔ کو اور داغؔ دہلوی نے علامہ اقبالؔ جیسے نادِر چراغ کو روشن کیا تو ادھر مرزا غالبؔ کی تابانی نے مولانا الطاف حسین حالؔی کو روشن کیا اور ان کی علمی، اصلاحی اور تعمیری شاعری نے سارے جہانِ ادب کو تابناک کیا۔

یہی اُردو شعروسخن کی روشنی مختلف اُدوار سے گزُرتی ہوئی موجودہ دور تک اس طرح پہونچی کہ ہر دور میں شعرائے کرام نے اپنے وقت، حالات اور معاشرے کے تقاضوں کے مطابق سخن کی شمع روشن کی۔ اس طرح خیال وفکر، زبان وبیان اور لب ولہجے کے کئی اتار چڑھاؤ، ادوار کے مطابق پیدا ہوتے گئے۔ روایتی اور تغزل کی فکر کی غزلوں کے ساتھ مثنوی، مرثیے، خمسے، مسدّس اور مخمس جیسی کئی اصناف میں شاعری ہوتی رہی۔ دینی اور عمرانی علوم کے ماہرین مولانا الطاف حسین حالؔی اور علامہ اقبالؔ نے نظموں اور غزلوں میں اِصلاحی اور تعمیری اُدب کو پیش کیا۔ ترُقی پسند شعرائے کرام نے نظموں اور غزلوں میں الگ ہٹ کر بورژوائیت کے خلاف اشتراکی فکر میں طبع آزمائی کی تو جدید شعرائے کرام نے نئے دور کی ترجمانی کرتے ہوئے غزل کے ساتھ جدید اور آزاد نظم، آزاد غزل، معرّا ماہیے، دوہے اور ہائیکو جیسی اصنافِ سخن میں خوُب اور خوُب طبع آزمائی کی اور نئے اُجالوں کے چراغ

روشن کئے۔ مذکورہ بالا اصنافِ سخن کے ساتھ فی زمانہ غزل پر ہی زیادہ زور دیا جارہا ہے۔ لیکن فکری اعتبار سے یہ تمام کارِ سخن پارہ پارہ ہیں اسلئے کہ جس کے فہم وادراک میں جو بات آتی جارہی ہے اسی کو ٹھیک جان کر نظم کئے جارہا ہے اور یہ تمام شعری کام مشاعروں کے ذریعے سامعین تک اور اخبار ورسائل اور شعری مجموعوں کے ذریعے قارئین تک پہونچتا جارہا ہے۔

علم وآگہی اور سائنسی ہنر کے کمالات سے مُرصّع بے پناہ مادّی ترقی کا آج کا زمانہ معلومات کے ایسے بَرق رفتار ذرائع رکھتا ہے کہ ہر طرح کی معلومات لمحوں میں سارے جہان تک پہونچ جاتی ہیں اور انھیں معلومات سے فکروخیال اور غوروخوض کے نت نئے راستے نکلتے رہتے ہیں۔

پچھلی صدی میں چند بزرگ علمی اور دینی شخصیتوں نے اپنی بے پناہ کاوشوں اور جدوجہد سے جب قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ کے تفسیری درس کا اہتمام عام مسلمانوں میں کیا تو ان معلومات کی روشنی میں مسلمانوں کا ایک بڑا تعلیم یافتہ طبقہ دین اور دینداری کو مسجد، مدرسہ اور خانقاہ تک محدود نہ رکھتے ہوئے ان دینی افکار اور تعلیمات کو عملی طور پر معاشرے کے ہر پہلو پر لاگو کرنے کی سعی اور جستجو میں لگ گیا۔ معاشرتی زندگی سے مربوط ایک پہلو شعروسخن کا بھی ہے۔ اس لئے اس سے وابستہ علم داں طبقے نے دینی فکر، ملّی احساس اور ایمانی شعور کو قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ کی بنیادی تعلیمات کو لے کر اشعار نظم کرنا شروع کر دیا۔ اور اسے اِجتماعی نام ''اَدبِ اسلامی'' دیا گیا۔

شعروسخن کی دنیا میں ایک اور روشن ہونے والے چراغ حضرت الحاج امیر اللہ عنبر خلیقی ناگپوری کا خاص فکری تعلق بھی اسی ''ادبِ اسلامی'' سے ہے۔ اصلاحی اور تعمیری انداز فکر میں اشعار نظم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دین وملت کے ساتھ موصوف کو ''اردو زبان'' سے بھی بے پناہ لگاؤ، اُنسیت اور محبت ہے۔ اس لئے وہ اس زبان کے پورے شعری ادب کی تاریخ اور تہذیب کو مطالعے کے ذریعے جاننے کے لئے کوشاں رہ کر شعری معلومات کا ذخیرہ بن گئے ہیں۔

اُن کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ شاعری فکری لحاظ سے جہاں سے چل کر یہاں تک آئی ہے اس میں زبان و بیان کے لحاظ سے کچھ اضافی ترقی ہونی چاہیے۔ اس لئے وہ اپنی اسلامی اور ملّی فکر کو ساتھ لے کر شعر و سخن کی ایک تجربہ گاہ بناتے ہیں۔ اور فکر و خیال اور زبان و بیان اور لب و لہجے کے نت نئے تجربات لگاتار کرتے جاتے ہیں۔ مساجد کی تعمیر کے خصوصی ماہر انجینیر کی حیثیت سے بے حد مصروف رہتے ہوئے بھی موصوف اپنی دینی ملّی خدمات کے ساتھ ہی شعر و سخن کی ترویجی اور ارتقائی خدمات پر بھی خصوصی توجہ دیتے ہوئے اپنے شعر و سخن کے نئے تجربوں میں مصروف رہتے ہیں اور منفرد، نادر اور عجیب کاوشات کو کامیاب بنانے کا اعادہ کرتے رہتے ہیں۔

انھیں شعر و سخن کی تجرباتی کاوشات کے کامیاب ترین نمونے وہ اہلِ علم و ہنر، فکر و فن اور اہلِ ذوق و نظر حضرات کے ملاحظے اور مطالعے کے لئے اِس ''ارتقائے سخن'' نامی شعری مجموعۂ کلام میں پیش کر رہے ہیں۔

میرا اپنا ادبی مطالعہ خصوصاً شعر و سخن کے لحاظ سے قابلِ قدر ہے۔ اور بڑی حد تک اردو شاعری کی تاریخ اور تہذیب سے اپنے عمیق مطالعے کی وجہ سے میں واقف ہوں۔ حاجی عنبر خلیقی صاحب ''ارتقائے سخن'' کے نام پر فکر و خیال اور زبان و بیان کے لحاظ سے جن تجرباتی کاوشوں کو پیش کر رہے ہیں۔ ان میں زیادہ تر کی تمثیل مجھے تو اردو شاعری کی تاریخ اور تہذیب میں نہیں مل پا رہی ہے (مجھ سے زائد مطالعے کے ذریعے علم رکھنے والے حضرات کو اگر اس قسم کے مشکل پسندانہ کارہائے سخن کی تمثیل مل جائے تو گزارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں میری بھی رہنمائی کریں)۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ تمام تجرباتی کارِ سخن انفرادیت، نُدرت اور فنکاریٔ سخن کا ایک عجیب اور عظیم کارنامہ ہے۔

شاعری کے عجائبات جیسا یہ عدیم المثال کارنامۂ سخن عنبر صاحب نے اردو زبان کے شعری ادب کی ترویج اور ارتقاء کے لئے صنعتی اور تکنیکی لحاظ سے کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اردو

زبان میں فکر وخیال کو جامع اور مربوط سہارا دینے کے لفظ اور زبان و بیان کی کتنی زائد شعری قوت اور توانائی ہے جو دنیا کی کسی اور زبان میں مشکل سے ہی ملے گی۔ اس عظیم کارِ سخن اور آگے بیان کردہ تصنیفات کے کارِ سخن کو انجام دینے کے بعد موصوف اردو زبان سے یہ عرضداشت کرنے میں صد فیصد حق بجانب مانے جائیں گے کہ ۔

اے حسین اُردوئے دِل نشیں ترِی سُربلندی کے واسطے
جو اَثاثِ دِل مِرے پاس تھا ترِی انجمن میں لگا دیا

اس کتاب میں پیش کردہ تمام ہی بے مثال کارِ سخن پر تبصرہ کرنا مجھ ناچیز کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں الحاج امیر اللہ عنبر خلیقی صاحب کا ممنون اور مشکور ہوں کہ حضرت نے مجھے اس کتاب پر غور وفکر کر کے کچھ لکھنے کا موقعہ فراہم کیا۔ اور انھیں کے حکم کے احترام میں کچھ لکھنے کے لئے اس کتاب پر غور وخوض کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا یہ کلام اور سخن اتنا انوکھا ہے اور اپنے اندر اتنی حیرت انگیز خوبیوں کے زائد پہلو رکھتا ہے کہ قلم حیران اور پریشان ہے کہ لکھے تو کیا لکھے۔ اس لئے میں خود حیران رہ کر یہ تذکرہ اور تبصرہ اردو ادب کے بالغ نظر اہلِ علم وفن اور اہلِ دل صاحب ذوق ونظر حضرات کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔

"ارتقائے سخن" نامی اس شعری مجموعۂ کلام کے شعری عجائب گھر کے علاوہ صاحب کتاب نے خالص دینی اور ملی فکر کی کاوشات پر مشتمل "ادبِ اسلامی" کا ترجمان شعری مجموعۂ کلام "احساس کا سفر" بھی مکمل کر کے چھپوا دیا ہے۔ یہ بھی اپنی جگہ شعری فکری خوبیوں کا ایک بے مثال کارِ خیر ہے۔

"تلقینِ مسلسل" نامی شعری مجموعۂ کلام فکر وفن کے ساتھ زبان و بیان کا ایسا نادر الوجود، منفرد اور حیرت انگیز کارنامۂ سخن ہے جو قابلِ ستائش بھی ہے اور قابلِ عمل بھی اس شعری

مجموعے کی تقریباً ۸۰ غزلوں کے ۵۶۴ اشعار اس طرح کہے گئے ہیں کہ ہر شعر میں ایک تلقین، نصیحت، تنبیہ یا رہنمائی پوشیدہ ہے۔ ایک ہی مثبت جذبے اور مقصد کو لے کر لگاتار اس قدر اشعار مختلف زمینوں اور لہجوں میں پیش کرنے کی تمثیل شاید اُردو شاعری کی تاریخ میں نہیں مل سکے گی۔ اس شعری مجموعۂ کلام ''تلقینِ مسلسل'' کے تمام اشعار کا ترجمہ حاجی عنبر خلیقی صاحب نے خود ہی تین زبانوں 'ہندی'، 'مراٹھی' اور 'انگریزی' میں کر کے تین الگ الگ کتابوں میں چھپوایا ہے تاکہ دیگر زبان والوں تک بھی وہ نصیحت آمیز باتیں پہونچ جائیں۔ ہندی ترجمے کی کتاب کا نام ہے: निरंतर उपदेश ،انگریزی ترجمے کا نام ہے "Constant Advises"، مراٹھی ترجمے کا نام ہے निरंतर सदुपदेश -

سب سے بڑا بَینُ الادوار اور بَینُ الاقوامی ریکارڈ توڑ کارنامہ حاجی عنبر خلیقی صاحب کا تضمین کاری کا ہے۔ کسی شاعر کی غزل کی تضمین کرنا شاعری کا مشکل ترین فن ہے اپنے وجدان، فکر، احساس اور مشاہدے کو لے کر شعر کہہ لینا نسبتاً آسان ہے۔ لیکن کسی دوسرے کی زبان میں زبان ڈال کر اس کی بحر، قافیہ اور ردیف سے مربوط ہو کر اس کے شعر میں مطابقت کے ساتھ تین مصرعوں کا اضافہ کرنا کسی صورت میں آسان نہیں ہے۔ یہ مشکل ترین کارِ سخن حضرت عنبر خلیقی اردو شاعری کی پوری تہذیب کو سمیٹ کر کرتے ہیں۔ امیر خسروؔ، علی قلی قطب شاہ، ولیؔ دکنی اور میر تقی میرؔ سے لے کر ہر دورِ شاعری کے مشہور و معروف اور مستند شعرائے کرام کی تقریباً ساڑھے تین سو (۳۵۰) سے زائد غزلوں کی تضمین موصوف کر چکے ہیں۔ جس میں ہر مزاج، فکر اور لب و لہجے کے شعرائے کرام یہاں تک کہ طنز و مزاح کے شعراء کی ہزل کی بھی تضمین کی ہے۔ ہند و پاک سے باہر ملکوں میں رہنے والے اردو کے شعرائے کرام کی غزلوں کی تضمین کرنے کی وجہ سے یہ ایک بین الاقوامی کارِ سخن بن گیا ہے۔ پوری اردو شاعری کی پوری تاریخ اور تہذیب کو ایک جگہ جمع کر کے اُس میں تضمینی گونج پیدا کرنا کوئی معمولی کارنامۂ سخن نہیں ہے۔ اس تضمینات کے مجموعے کا نام موصوف نے اس کی مناسبت اور موافقت سے ''بازگشت''

یعنی، گونج (Echo) رکھا ہے۔

تضمین کرنے میں شاعر چونکہ مجبور ہوتا ہے کہ وہ فکر و بیان کا روایتی، تغزل آمیز ہزل کے طنز و مزاح اور ترقی پسندی اور جدیدیت لے کر جیسا بھی مزاج سامنے آئے اسی مزاج میں مربوط ہو جائے۔ ورنہ اصلاً حاجی عنبر خلیقی کا شعری مزاج اور فکرِ اصلاحی اور تعمیری اور دین وملت سے وابستہ ہیں۔ اور اس جامع مثبت اور فیض رساں فکر کے ان کے اس قدر زائد کارِ سخن اپنی مثال آپ ہیں۔ جو چھ مختلف شعری مجموعے اور دیوان میں ہیں۔

'الف' سے 'ی' تک تمام حروفِ تہجی کی ردیفوں میں اتنی زیادہ غزلیں کہہ چکے (خصوصاً کم سے کم ردیفوں میں استعمال ہونے والے حروف میں) ہیں کہ جب ترتیب دی گئی تو تین دیوان مرتب ہو گئے۔ پچھلے پچاس برسوں میں حُروفِ تہجی کے ہر حرف کی ردیف میں غزلیں کہہ کر کسی شاعر نے ''دیوان'' پیش نہیں کیا ہے شعری مجموعے بے شمار سامنے آئے ہیں۔ حاجی عنبر خلیقی کا پچھلے پچاس برسوں کی تاریخ کا یہ بھی منفرد کارنامہ ہوگا کہ حروفِ تہجی کے ہر حرف کی ردیف میں غزل کہہ کے دیوانِ عنبر اوّل، دیوانِ عنبر دوّم اور دیوانِ عنبر سوم موصوف نے ترتیب دیا ہے۔

خوش ذوق اہلِ خیر حضرات اور اربابِ اقتدار سے خصوصی درخواست کرتا ہوں کہ اُردو زبان کی خدمات کا کئی پہلو دار اس قدر زیادہ کارِ سخن کرنے والی شخصیت کے بارے میں تحقیق کی جائے اور تاریخی، تہذیبی اور بین الاقوامی پیانے پر بے مثال کارہائے سخن کو اردو زبان کی پر خلوص خدمت سمجھ کر کرنے والی ذات و صفات کو اُس کی فنکارانہ، ہنرمند، پر مغز اور دیدہ ریز، محنت پر زیادہ سے زیادہ سراہنے کا اہتمام کر کے ان کی خاطر خواہ پزیرائی کی جائے اور اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ کم از کم ''ارتقائے سخن'' نامی کتاب کا یہ اردو زبان کی ترویج اور ارتقائی محنت کا کارنامہ ہندو پاک ہی نہیں بین الاقوامی پیانے پر زیادہ سے زیادہ اہلِ فن، اہلِ ذوق اور اہلِ نظر لوگوں تک پہونچ سکے۔

میں چونکہ خود ہی عنبرؔ صاحب کی ذات وصفات سے بہت قریب رہتا ہوں، اس لئے ساری معلومات میری نظر کی دسترس میں رہتی ہیں اور چونکہ اُن کے کلام کو خوش خط لکھنے کا کام بھی میرے ہی ذمّے ہے اس لئے پڑھتے اور لکھتے ہوئے یہ ساری باتیں دل ودماغ میں اترتی رہتی ہیں اور حیران درحیران کرتی ہیں۔

آخر میں صاحبِ فکر وقلم حضرت حاجی عنبرؔ خلیقی کے لئے یہ دعا کافی نہیں سمجھتا کہ ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ'' بلکہ یہ دعاء کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اہلِ قلم، اہل فن اور اہل ذوق ونظر حضرات کے ساتھ اربابِ اقتدار کو اللہ توفیق دے کہ وہ اس شخصیت کی عرق ریز اور دیدہ ریز محنت شاقہ کو اس کا خاطر خواہ مقام اور پزیرائی دلانے میں پرخلوص تعاون کریں۔

ملتمس اور دعا گو

مولانا رحمت اللہ راشدؔ احمد آبادی

منفرد اندازِ سخن میں

حمد باری تعالیٰ

کائناتِ بیکراں
وسعتِ کون و مکاں
یہ زمین و آسماں
جاری و ساری زماں
لفظ "کن" کہتے ہوئے
کس نے پیدا کر دیے

خالقِ ہر دو جہاں

کس کا احساں ہو گیا
ہم کو جو قرآں ملا
آگہی کا سلسلہ
ایک سیدھا راستہ
نعمتوں سے جو بھرا
یہ کرم کس نے کیا

خالقِ ہر دو جہاں

کون ہے ربِّ عظیم
کون رحمٰن و رحیم
کون رحمت اور کریم
کون داتا اور نعیم
کون باخبر و فہیم
کون دانا اور حکیم

مالکِ ہر دو جہاں

کس کی لازم بندگی
کس کی رحمت دائمی
ذکر کس کا لازمی
کس کے بس میں زندگی
یہ بتا عنبرؔ تو ہی
کس نے بخشی روشنی

مالکِ ہر دو جہاں

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

منفرد اندازِ سخن میں

نعتِ رسولؐ پاک

تاج دارِ مُرسلیں
سب کی خاطر تھے بھلے
محورِ عرشِ بریں
عدل میں بڑھ کر رہے
جو گئے ربّ کے قریں
کارِ احسن ہی کئے
مُدح خواں جن کی زمیں
حق کی خاطر ہی لڑے
جو کرم کے ہیں رہیں
سختیوں میں بھی جے
اور ہدایت کے امیں
وہ ہدایت کے لئے

رَحْمتُ الِّلْ الْعٰلَمِین
رَحْمتُ الِّلْ الْعٰلَمِین

مرکزِ جود و عطا
دیکھ اُن کی سروری
جن پہ واری ہے سخا
نار سے کرتے بری
ظالموں کو دی دعاء
ہم کو سیدھی راہ دی
بخش دی اُن کی خطا
اُن سے شاخِ دیں ہری
حد سے بڑھ کر ہی دیا
فکر لا عنبر تری
وہ ہیں محبوبِ خدا
اپنے آقا ہیں وہی

رَحْمتُ الِّلْ الْعٰلَمِین
رَحْمتُ الِّلْ الْعٰلَمِین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

صنعتی اور تکنیکی لحاظ سے

الحاج امیر اللہ عنبر خلیقی

مومن پورہ، ناگپور

مناجات

تو ہی داتا ہے سب کا تُو دے دے
مجھ کو اِخلاصِ دِیں کی بُو دے دے

جِس میں عِرفانِ حق کی صَہبا ہو
میرے ہاتھوں میں وہ سُبو دے دے

وَلوَلے سَرد میری مِلّت کے
اِجتہاد و عَمل کی لَو دے دے

حسنِ اَخلاق کا نمونہ ہو
میری فِطرت میں اَیسی خُو دے دے

بِجلیاں کوندیں جِس میں غیرت کی
میری رَگ رَگ میں وہ لہُو دے دے

فَصلِ اِخلاص و صِدق جِس میں پھلے
میری مِٹّی میں وہ نُمُو دے دے

آرزوئیں اُنھیں مُبارک ہوں
فکرِ عنبر کو جُستجُو دے دے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''سورۃ فاتحہ'' کا مضمونی جائزہ

(غزل کے اسلوب میں)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔	ہے جو شیطان تیرا ٹھکرایا شر سے اُس کے نِکالنے والے
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔	نام سے تیرے اِبتدائے کلام مِہر اور رَحم بانٹنے والے
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔	ساری تعریف صرف تیری ہے اے جہانوں کے پالنے والے
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔	مہرباں اور رحم والا ہے رحمتوں کو اُچھالنے والے
مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔	تیرا ہی راج ہوگا عدل کے دن حق کی میزان ڈھالنے والے
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔	بندگی صرف تیری کرتے ہیں تجھ سے اِمداد مانگنے والے
اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۔	راہ سیدھی وہی دِکھا ہم کو نِعمتیں جِن میں ڈالنے والے
غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔	جن پہ تیرا غضب ہوا نازل ہم کو اس رَہ سے ٹالنے والے
آمین ۔	دے اِن اُلفاظ کو پذیرائی اے دعائیں سنبھالنے والے

بحرِ طویل میں نعتِ پاکِ مصطفیٰؐ

کبھی کہکشاں سے گُزر گئے، کبھی لامکاں سے گزُر گئے، وہ کہاں کہاں سے گزُر گئے
نہ زباں میں نطق کی تاب ہے، وہی ذاتِ عالی جناب ہے، جو حدِ بیاں سے گزُر گئے

وہ صفات و ذات میں معتبر، کریں جب زمین سے وہ سفر، رہے عرش والے بھی منتظر
یہ خدا کے فضل کی بات ہے، کہ تمام حُسنِ صفات سے، وہ مکاں زماں سے گزر گئے

یہ ہدایتوں کے ہیں سلسلے، کہ کمالِ زہد کے مرحلے، بنے نورِ دیں کے قافلے
تو ہر ایک گام پہ یوں ہوا، وہاں نور نور برس گیا، وہ جہاں جہاں سے گزر گئے

جو کہ رحمتوں کی اساس ہیں، جو نصیحتوں میں بھی خاص ہیں، وہ عنایتوں کے ہی پاس ہیں
نہ تو یہ کہ صرف حیات کی، وہ تو کائنات و ذات کی، حدِ بیکراں سے گزر گئے

یہ مظاہرہ ہو خیال کا، کریں ذکر اُن کے جمال کا کہ ہو ذکر اُن کے کمال کا
نہ ملے گی کوئی مثال ہی، نہ جمال کی نہ کمال کی، وہ حدِ نشاں سے گزر گئے

چلو بڑھ کے اسوہ کو تھام لیں، وُہ نظر میں ربّ کا پیام لیں، وُہ عبادتوں سے ہی کام لیں
کہیں لوگ عنبر باصفا، کہ خدا کا حق جو کہ فرض تھا، کیا اور جہاں سے گزُر گئے

منفرد ردیف میں غزل کے اسلوب میں 'قرآن' کی اہمیت کا بیان

یہ خدا کا فضل و کرم ہوا کہ نظر گئی ہے ورق ورق
یہ ہدایتوں کی قطار تھی جو ہمیں ملی ہے ورق ورق

ہے بیانِ قرآں تو بیکراں لئے کائنات کے راز کو
کہیں موت و زیست کا تذکرہ کہیں آگہی ہے ورق ورق

جہاں ذکر و فکر کی بات ہے تو بیاں میں اپنی بھی ذات ہے
وہ تمام بات بلیغ ہے جو یہاں لکھی ہے ورق ورق

شب و روز بھی ہیں بیان میں، ہیں زمیں زماں کے بھی تذکرے
اِک عجیب کیف کی بات ہے جو کہ چھا گئی ہے ورق ورق

ہے جو علم و عرفاں کی آرزو تو بڑھاؤ قرآں میں جستجو
وہی حق شناسی کی بات ہے جو چھپی ہوئی ہے ورق ورق

جو بیاں میں ذکرِ رسول ہے تو ہیں انبیاء کے بھی تذکرے
ہے ازل ابد کی بھی آگہی جو سما چکی ہے ورق ورق

یہ صفات و ذات کا ضابطہ، یہ حیات و موت کا فیصلہ
اسے تمام عنبرؔ باصفا، تری زندگی ہے ورق ورق

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''گُلِستانِ دِین کی داستاں''

تغزُّل کے پیرایۂ سخن میں

تشبیہ اور اِستعارے کے ساتھ شوکتِ لفظی میں زُلف و رُخسار اور گُل و بُلبل کی عِشقیہ شاعری تغزُّل کے نام پر خوب ہوتی رہی، اِسی تغزُّل کے لفظی تقاضوں کو لے کر میں نے دِینِ حنیف کی داستان نظم کرکے بیان کرنے کی اِنفرادی کوشش کی ہے۔

تمہید کر رہا ہوں میں جِس کے بیان کی
ہے داستان دِین کے یہ گُلِستان کی

ایمان کی ہَوا سے مُعطّر ہے یہ چمن
گُل ہیں وُضو کے اور نمازوں کے نسترن
روزے کی اور زکوٰۃ و خیرات کی پھبن
عُمرہ و حجؔ، جِہاد کے لالہ کی ہے تپن

پُروائی اِس میں چلتی صَدائے اذان کی
ہے داستان دین کے یہ گُلِستان کی

اخلاق اور خلوص کے پودے ہیں جا بہ جا
اس میں مُروّتوں کے درختوں کا سلسلہ
ایثار کی نہر میں اُخوّت کا بُلبلہ
انسانیت کی جھیلیں تو غیرت کا راستہ

نِکہت یہاں حدیثوں کے دانِش بیان کی
ہے داستان دین کے یہ گُلِستان کی

رمضان میں نزول کا جب سلسلہ چلا
قرآن معجزہ بنا سینوں میں آ بسا
وعدہ خدا نے اس کی حفاظت کا خود کیا
ایک ایک حرف اس کا یوں محفوظ رہ گیا

کوئی کتاب آئی نہیں ایسی شان کی
ہے داستان دین کے یہ گُلِستان کی

اس میں معارِفات کی روشن حِکایتیں
اس میں ہیں مُنکِرات کی بھاری رُکاوٹیں
اس میں خدا کا فضل و کرَم اور عِنایتیں
عنبر ہیں اس میں اپنے نبی کی سِفارشیں

واری ہیں جن پہ رحمتیں دونوں جہان کی
ہے داستان دین کے یہ گُلِستان کی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے سوانحی واقعات کے نظم ہونے کی اردو شاعری میں کوئی تمثیل نہیں ملتی۔ عظیم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی سوانح کو نظم کرنے کی یہ کاوش ہی نادر اور منفرد ہے۔ عام طور سے سوانح، داستان اور واقعات کو نظم کرنے کے لئے مثنوی جیسی سُہولت کے اُسلوب کو اپنایا جاتا ہے لیکن حضرت کے اہم واقعات کو غزل جیسے پابند اور مُشکل اُسلوب میں نظم کرنا اس کارِ سُخن کی دوسری انفرادیت ہے۔ داستان گوئی میں مبالغہ آرائی ایک عام بات ہے لیکن یہاں بیان میں حقیقت پسندی اور قرآن کریم کی تصدیق سے نظم کرنا اس کاوِش کی تیسری انفرادیت ہے۔

حضرت اِبراہیم علیہ السّلام

شکستِ بُتاں جن کا تھا کارِ اعلیٰ، کہی جارہی اُس نَبی کی کہانی
یقیں اور ہدایت کا عِرفاں ہوا ہے، لگا ہے یہاں اُن کا جوشِ جوانی

بڑا غیض و غصہ تھا باطل کا اُن پر، اُچھالا انھیں آتشِ بیکراں میں
مگر ماجرا دیکھا اہلِ ستم نے، وہی آگ گلشن، وہی آگ پانی

بہ حکمِ خدا کر کے ہجرت وہ پہونچے، فلسطین اور شام کی سرحدوں میں
سبھی کارِ حق اور خیرِ عمل کو انھیں سرزمینوں میں کرنے کی ٹھانی

بشارت ملی کہ ملے ایک بیٹا، جو حُسنِ عمل میں بہ مثالی کمالی
کہا اہلیہ نے کہاں سے ملے گا، ہماری تو اب آگئی ناتوانی

مگر وعدۂ حق تھا پورا ہوا وہ، ہوئے پیدا فرزند فضلِ خدا سے
ہوا حکم چھوڑ آؤ مکّہ میں جاکر فقط اہلیہ اور یہ روشن نشانی

وہ چھوڑ آئے جا کر بیاباں میں ایسے، پلٹ کر نہ دیکھا تھا پھر ان کی جانب
جہاں کوئی انسان کی بات کیا ہے، وہاں مل نہیں پائے، دانہ نہ پانی

صَفا اور مَروہ کے چکّر لگاتی، وہ بی بی تڑپتی ہوئی پھر رہی تھیں
کہ چھوٹا سا بچہ جو پیاسا بہت تھا، طلب میں رہی پیاس اُس کی بُجھانی

وہ مایوس پلٹیں تو منظر یہ دیکھا، کہ بچہ رگڑتا جہاں ایڑیوں کو
وہیں سے بہ حکمِ الٰہی ہوئی ہے، ضرورت جو پانی تھا، اُس کی روانی

یہی معجزہ آج بھی تو رُواں ہے، تبرّک ہمارا جو ہے آبِ زم زم
مشیت کی مرضی بھی تھی اس کے پیچھے، اِسی کے بہانے تھی بستی بسانی

ہُوا حُکم صادِر مِرا گھر بناؤ، جو بن جائے تو حَج کا اعلان کردو
یہی حج، جو اب بھی کیا جارہا ہے، خلیلِ خدا ہی رہے اُس کے بانی

اِشارہ ہوا رَبّ کا قربان کردو، جو جاں سے بھی پیارا ہے بیٹا تمھارا
ہوئے مُستعِد باپ بیٹے ہی دونوں، ذرا بھی نہیں کی کوئی آنا کانی

خدا کو یہ قربانی محبوب اِتنی کہ دائم کیا اِس کی سُنّت کو ہم پر
اُسی روز قربانیوں کی سعادت ہے عنبر خدا کی یہی مہربانی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

غزل کے اسلوب میں کہی گئی اس نظم کی صنعت یہ ہے کہ غزل کا پہلا شعر جس قافیئے کے لفظ پر ختم ہوتا ہے اسی لفظ یا بحر کی ضرورت کے مطابق ایک اور لفظ کے اضافے سے اسی قافیئے کے لفظ سے دوسرا شعر شروع ہوتا ہے اور دوسرا شعر جس قافیئے کے لفظ کا ہوتا ہے تیسرا شعر اسی قافیئے کے لفظ سے شروع ہوتا ہے اور نظم کے اختتام تک اس پابندی سے شعر نظم ہوتے گئے ہیں۔

حمدیہ نعتیہ پیغام

رحمتِ کبریا کبریائی کرے
راہِ رحمت کی وہ رہنمائی کرے

رہنمائی کا فیضانِ اعلیٰ ہے یہ
فطرتِ مصطفےٰ مصطفائی کرے

مُصطفائی تکلّم میں ہے جلوہ گر
یہ تکلّم عطا پارسائی کرے

پارسائی ہے دراصل طاعت کا نام
اک تجارت کہ مومن کمائی کرے

ہے کمائی یہ دراصل آبِ حیات
گلشنِ زیست کی جو سینچائی کرے

اس سینچائی سے ملّت کا گلشن کِھلے
اور یہ پھل پائے ، فرماں روائی کرے

یعنی فرماں روائی ہے فیضان اِک
مصطفائی کا جو پارسائی کرے

پارسائی ہے جب فطرتِ مصطفےٰ
کب یہ چاہے کہ اِنساں بُرائی کرے

گر برائی کی اپنائے کوئی روش
مصطفائی سے وہ بے وفائی کرے

بے وفائی کا حاصل یہ ہوگا عذاب
اپنے ہی نام کی جگ ہنسائی کرے

جگ ہنسائی سے عنبرؔ جو چاہے نجات
بَن کے مومن جہاں میں بھلائی کرے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ہندو پاک کے مستند اور معروف جانے مانے شاعر حضرت رازؔ الہ آبادی کا یہ نعتیہ شعر اس قدر اہم لگا کہ اس کی تضمین کاری کا حق مُروّجہ حدُود سے باہر کاوش کرنے میں ہی کسی حد تک ادا ہو سکا۔

یہ ترا اِسمِ گرامی ہے کہ اِسمِ اعظم
لکھ دیا جائے تو کاغذ کا مقدّر چمکے

مندرجہ بالا شعر کی منفرد انداز میں تضمین کاری

"مقامِ مصطفٰے"

وہ بَصیرت جو بھی لائے تھے حضرت آدم
دَور گزرے تو وہ ہوتی گئی مدّھم مدّھم
پُوچھ مت دَورِ خرابات کا کیا تھا عالم
شِرک و اِلحاد کا ہر سمت تھا چھایا موسم
بے حیائی کا چلن عام تماشہ ہر دم

دَرِ ہدایت کا کھُلا کِس نے کہا تھا سَم سَم
کِس کی رَحمت کا کرم سب پہ مسلسل پیہم
کفر اور شرک کی صف ہوگئی درہم برہم
اور باطل کے بھی ایوانوں پہ چھایا ماتم

آج امت پہ ہے ہر سمت سے ضرب پیہم
ہائے وہ دَور نہ باقی رہا کوئی ہمدم
زخمِ اُمّت کے لئے یادِ نبی ہے مرہم

اے نبی! تیری عنایات کا عالم کیا کم
تیرا ہر فعل ہوا حکمِ شریعت محکم
یہ ترا اسمِ گرامی ہے کہ اِسمِ اعظم
لکھ دیا جائے تو کاغذ کا مقدر چمکے

لکھ دیا جائے تو کاغذ کا مقدر چمکے

اَزل سے اَبد تک کی کہانی چھ مصرعوں میں

آسمانوں میں نُور باقی ہے
اور زَمیں پر فتُور باقی ہے

کِتنے آواز دے گئے آکر
اور کِس کا ظہُور باقی ہے

آدمی اَب تجھے جگانے کو
صِرف آوازِ صُور باقی ہے

اُردو شاعری کی مختصر ترین بحر میں غزل

تیرا میرا
وقت سُنے کیا
یہ جگ سارا
وہ ہے بہرا

غم کا سمندر
وقت رُکے کیا
کتنا گہرا
وہ کب ٹھہرا

فکر ہے تم کو
ایک کی ارتھی
کہتا چہرہ
ایک کا سہرا

ارمانوں پر
دیکھا ہم نے
غم کا پہرہ
خواب سنہرا

کیسے جئے گا
گُلشن روئے
گھاؤ ہے گہرا
گائے صحرا

ہجر کی شب اور
لگتا رہتا
دور سویرا
موت کا پھیرا

تم نے چھوڑا
عنبر سوچا
غم نے گھیرا
گھور اندھیرا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

زیرِ نظر غزل کی صنعت یہ ہے کہ شعر کا پہلا مصرع جس زمین میں ہے غزل کے ہر شعر کا پہلا مصرع اسی زمین میں ہے، اور شعر کا دوسرا مصرع جس زمین میں ہے غزل کے ہر شعر کا دوسرا مصرع اسی زمین میں ہے۔

صرف خوشیوں کو منانے والا
کب کسی اور کا غم رکھتا ہے

ہنستے لوگوں کو رلانے والا
ذہن میں جور و ستم رکھتا ہے

ڈھول ماتھے پہ سجانے والا
وہ ہی تعمیر کا دم رکھتا ہے

سب کو احساس دلانے والا
خون میں ڈوبا قلم رکھتا ہے

ضبط کے گر کو سمجھنے والا
جانے کتنوں کا بھرم رکھتا ہے

منزلِ حق سے گزرنے والا
خود میں کردارِ حرم رکھتا ہے

اور اک طیش میں آنے والا
حوصلہ کم سے بھی کم رکھتا ہے

ہر جگہ خود کو سمانے والا
کم تمنا کا حجم رکھتا ہے

دردِ انسان کو سہنے والا
چشمِ احساس کو نم رکھتا ہے

ذہنِ عنبر ہے جگانے والا
اپنی ملت کا جو غم رکھتا ہے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عِرفان، آگہی، جَذبات، اِحساس اور حَقیقت نَظری کی بُنیادوں پر کی گئی یہ کاوِش اپنے اندر ایک عظیم اور باوِقار مقصد رکھتی ہے۔

غزل کے اسلوب میں بامقصد نظم

کِسی کے اُشک آنکھوں میں پِرو کر
شکیبائی کی لذّت پا گیا ہوں

کِسی گِرتے ہُوئے کا ہاتھ تھامے
مُقامِ اِرتقاء تک آگیا ہوں

شُجر بَن کر محبت اور وَفا کا
کئی ویراں دِلوں پر چھا گیا ہوں

کہیں بَن کر نشانِ آدمیّت
نِگاہوں میں کِسی کی بھا گیا ہوں

مگر کچھ لوگ ایسا سوچتے ہیں

مَیں آخر کیوں کِسی کے غَم سمیٹوں
مَیں کیوں گِرتے ہوئے کا ہاتھ تھاموں
شجر بَن کر وَفا کا کیوں میں چھاؤں
نِگاہوں میں کِسی کی کیوں میں بھاؤں

وہ سوچیں لوگ جیسا سوچتے ہیں
مگر مجُھ کو یقیں ہے کہ خدا ہے

مگر مجُھ کو یقیں ہے کہ خدا ہے

•••••••••••••••••••••••••••••••••••

شعر نغمہ نہیں آواز بھی بن سکتا ہے
حق نوائی پہ نہ محنِت کی غزل خواں تو نے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حالات کے بگاڑ، اِنسان کو منفی سوچ کی اس انتہا پر پہونچا دیتے ہیں، جہاں وہ خودکشی کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتا، لیکن مذہب اسلام کسی بھی حال میں خودکشی کی اجازت نہیں دیتا۔ کیوں ؟

منفی سے مثبت تک

(غزل کے اسلوب میں نظم)

جب کبھی رنج و غم کی یورش سے
دِل میں طوفانِ دُرد اٹھتا ہے
سوچتا ہوں کہ خُودکشی کرُ لوُں
تاکہ جھگڑا ہی سارا مِٹ جائے

پھر اچانک خیال آتا ہے

زندگی تو عطائے یزداں ہے
رنج و غم آتے جاتے رہتے ہیں
زندگی ایک بار آتی ہے
اور جاکر کبھی نہیں آتی

اور جاکر کبھی نہیں آتی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فکر و خیال کے ساتھ زبان و بیان کی ندرت کے لحاظ سے کہی گئی یہ منفرد غزلیں بے مثال ثابت ہو سکتی ہیں۔

منفرد انداز کی غزل

(اوّل)

قسمت میری اور بخت میرا
لاچار ہوئی، لاچار ہوا

تیری منزل تیرا رستہ
دشواری ہوئی، دشوار ہوا

ساری محفل سارا مجمع
بیزار ہوئی، بیزار ہوا

بہکی دنیا، بہکا انساں
خونخوار ہوئی، خونخوار ہوا

کچھ ہمت سے اور جرأت سے
تو پار ہوئی، میں پار ہوا

ہَستی میری اور میرا مَن
سُرشار ہُوئی، سُرشار ہُوا

ساری کوشش اور سارا جتن
بیکار ہُوئی، بیکار ہُوا

وہ خوشیوں سے، عنبرؔ غم سے
دوچار ہُوئی، دوچار ہُوا

لو کام آہی گئی میری دَر بَدر کی تلاش
ہمیشہ مجھ کو رہی حرفِ معتبر کی تلاش

انھیں مقام کہاں ملتا ہے زمانے میں
کیا جو کرتے نہیں کارِ با اثر کی تلاش

وہی مقام جہاں میں بنا گئے عنبرؔ
ہمیشہ جن کو رہی ہے نئے ہُنر کی تلاش

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

منفرد انداز کی غزل

(دوم)

وقت کو کارگر کر چکا .... معرکہ یہ بھی سر کر چکا
میرا بھرپور ذوقِ عمل .... زندگی کو گہر کر چکا

ظلم مظلوم پر کر چکا .... وہ ستم در ستم کر چکا
بربرّیت کا اک سلسلہ .... خون سے ہاتھ تر کر چکا

خود کو یوں معتبر کر چکا .... تھا یہ مشکل مگر کر چکا
جان دے کر ترے نام پر .... زندگی کو امر کر چکا

کچھ ادھر سے اُدھر کر چکا .... یا اگر یا مگر کر چکا
آدمی کا ہر اِک فلسفہ .... ختم اپنا سفر کر چکا

لمحے کو مختصر کر چکا .... اور سب کچھ نذر کر چکا
اب ہے باقی کہاں زندگی .... جتنی تھی سب بسر کر چکا

علم و فن دل میں گھر کر چکا .... اور حصولِ ہنر کر چکا
اس سے عنبرؔ الگ سوچئے .... کام جو ہر بشر کر چکا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

منفرد انداز کی غزل

(سوم)

حق ہے اگر ہوتا نہیں وہ تو نہاں
مجھ پر عیاں، تجھ پر عیاں، اُس پر عیاں

جب امن ہو، اِخلاص ہو، اَخلاق ہو
ہم شادماں، تم شادماں، وہ شادماں

جب دِل ملیں تو ایک سی لگنے لگے
میری زَباں، تیری زَباں، اُس کی زَباں

بے رَہ رَوی، بَد خُوئیاں، بے ہُودگی
مجھ پر گراں، تجھ پر گراں، اُس پر گراں

دہشت زَنی، نفرت زَنی، تحقیر سے
میں بَدگماں، تو بَدگماں، وہ بَدگماں

وسعت نِگاہ و قلب میں اور ذہن میں
ہم بیکراں، تم بیکراں، وہ بیکراں

جب اِختلافوں کی طنابیں کھنچ گئیں
پھر ہم کہاں اور تم کہاں اور وہ کہاں

عنؔبر یقینِ ربّ سے لے جائے پرے
میرا گماں، تیرا گماں، اس کا گماں

اس غزل کی صنعت یہ ہے کہ اس کے اشعار کے کسی بھی لفظ میں نقطہ نہ آپائے۔

غیر منقوط غزل

دل دکھا، سو طرح، ہر گھڑی
راہ ہے دردِ دل کی کڑی

سُکھ اٹھے، دُکھ گھٹے، کس طرح
مرحلہ کر رہا ہے اڑی

رحم سے دور وہ ہر طرح
درد کی مار آکر گڑی

ہو گھٹا سے ہوا کا سوال
وہ کہاں اور کس سے لڑی

سرگراں ہُوں کہ کس طور سے
دکھ لئے راہ دل کی مڑی

کہہ دے ہمدم کٹا سلسلہ
مرگ آکر ہے آگے کھڑی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اس غزل کی صنعت یہ ہے کہ اس کے اشعار کا کوئی بھی لفظ بغیر نقطے والا نہ ہو۔ ہر لفظ نقطے والا ہو۔

منقوط غزل

جوہری ہتھیار ہوتا خود بلا
تو تباہی نامی شئے لینے چلا

سوزشِ نفرت بَنی آتشِ فشاں
مَن جلے، تن بھُن چُکے، منظر جلا

گُنگُناؤ گیت سب خاموش ہیں
حالتِ فکرِ سخن میں مبتلا

قلب تو پہونچے قریبِ منزلت
عقلِ حیراں ناپتی تھی فاصلہ

کانپ اٹھتی سرزمینِ عافیت
شعر میں مضمونِ غم جب زلزلہ

شُکر عنبرؔ تجھ پہ لازم کیوں نہیں
رِزق جب رَبّ نے دِیا تب تو پلا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ غزلیں جن کے ہر شعر میں دوقوافی کا التزام کیا گیا ہے۔

ذُوقافیہ غزل

ق۱ ق۲

نہیں ہے ایک بھی چپہ، جہاں دہشت نہیں ہے

بتاؤ تو جہاں میں اب کہاں وحشت نہیں ہے

ق۱ ق۲

معیشت کے سفینے ڈوبنے سے کیسے بچتے

گِنہ سے رزق میں ہی جب نہاں بُرکت نہیں ہے

ق۱ ق۲

اسے پالے بھی رہنے سے بھلا کیا فائدہ ہو

اگر تصویرِ ہستی کی گِراں قیمت نہیں ہے

ق۱ ق۲

ہے ایسا وقت مجھ پر جو رُلا دے خوں کے آنسو

مگر پھر بھی مِری گِریہ کُناں صُورت نہیں ہے

ق۱ ق۲

یہ مِلّت زیرِ باطل آگئی ہے اِس طرح سے

نہیں ہے زور بازو میں، جُواں ہِمّت نہیں ہے

ق۱ ق۲

گماں کو چھوڑ کر عنبر یقیں کی ڈور تھامو

یقیں ہے باعثِ رحمت، گماں حُرمت نہیں ہے

ق۱ ق۲

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذو قافیہ غزل

سوادِ انجمن، تلخی ہی تلخی، دورِ حاضر میں
مروّت کا کفن، اور دل کی تنگی، دورِ حاضر میں

جوانی خودسری ہے تو حدودِ ضبط کیا جانے
جواں کا بانکپن، دہشت پسندی، دورِ حاضر میں

تصادم در تصادم اور تضادِ باہمی اتنے
مرا رنگیں چمن، اِک خانہ جنگی، دورِ حاضر میں

ہوا ہے ریزہ ریزہ یوں رگِ دل کا ہر اِک ذرّہ
مرا شیشے کا مَن، پتھراؤ سنگی، دورِ حاضر میں

سرابِ زندگانی یا عذابِ زندگی کہیے
سیاست اِک گھٹن، جس میں دو رنگی، دورِ حاضر میں

نہ تیشہ حکمت و محنت کا دستِ نوجواں میں ہے
نہ عزمِ کوہ کن کی سربلندی، دورِ حاضر میں

اماں کی کوئی منزل کس طرح ہاتھ آئے گی عنبر
صفاتِ راہزن، رہبر میں دیکھی، دورِ حاضر میں

ذوقافیہ غزل

اِحساس بجُھ گیا ہے سِتم کی اُٹھان سے
نِکلا ہے تیرِ آہِ اُلم کی کمان سے

ہتھیار سے جو مسئلے حل ہی نہ ہو سکے
وہ حل کیے ہیں ہم نے قَلم کی زَبان سے

مجبور کر رہے ہو زباں کھولنے پہ کیوں
آئے گی بُوئے شِکوہ ہی غم کے بیان سے

اللہ رے عِنایتیں وہ چھوڑ کر جَفا
کچھُ آگے آگئے ہیں کَرم کے نشان سے

ناقوُس اور صَنم بہ صَنم اُن کا رابطہ
ہم کو تو واسطہ ہے حَرم کی اَذان سے

یہ تو خدا کا فضل ہے عنبرؔ برائے شَوق
جاتے سوُئے فلک ہیں قلم کی اُڑان سے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذوقافیہ غزل

ہر طرف بہتا ہے جو رَدّوبدل کا دریا
اِس میں بہہ جاتا ہے ہر شیش محل کا کمرہ

وقت کچھ سُنتا نہیں اور گزر جاتا ہے
اُس کو آواز نہ دو وہ ہے ازل کا بہرہ

رُوسیاہی کی طرف آج قدم جاتا ہے
اور روشن تھا کبھی آپ کے کل کا چہرہ

صِرف گفتار سے حل ہوں نہ مسائل اپنے
رکھیے حالات پہ اَب صِرف عمل کا پہرہ

خود کو ہر حالتِ ہستی میں سنبھالا جائے
رنگ حالات کا ہوتا تو ہے ہلکا گہرا

ہائے شطرنجِ سُخن اور اناڑی شاعر
پِٹ نہ جائے کہیں کمزور غزل کا مہرہ

دُھند میں اس کی تو کھو جائے گا عنبر اِک دِن
دیکھ بڑھتا چلا آتا ہے اجل کا کہرہ

ذوقافیہ غزل

تیز رَو ہیں اگر آرزُو کے قدم
ہم بڑھاتے رہیں جُستجُو دَم بہ دَم

خوُن یوُں تو زَمانے میں بہتا ہی ہے
حق کی خاطر بہے وہ لہُو محترم

بے خودی بزدلی، میکدہ گندگی
طاہر و پارسا باوَضُو کا حَرم

سنگِ رُسوائی کو پار کرتے ہوئے
زِندگی میں بڑھے آبرو کا قدم

دیکھ لو آج وہ، خاک کا ڈھیر ہیں
وہ جو کھاتے رہے رَنگ و بُو کی قسم

تو اُڑاتی ہی جا، اے ہوا جِس قدر
میں ہوں عنبر اگر، ہوگی خوشبو نہ کم

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذو قافیہ غزل

ترا بیان جُدا ہے مِرے بیاں سے اگر
تو اِتفاق کا ہم پائیں گے کہاں سے اثر

کچھ آبرُو کے عمل زندگی میں کرلیں گے
اگر مِلے گا کبھی سُود اور زِیاں سے مَفر

پکڑ لے دامنِ صبر و رضا تحمُّل کو
اگر ہو تیرا کبھی صدمۂ گِراں سے گزر

ضَعیف جِسم کی کشتی سے پار جانا ہے
تو سَیلِ ہستی میں اَب ہِمّتِ جواں سے اُتر

یہ سارے دنیوی افکار تو بگاڑیں گے
دیا جو دِیں نے اِشارہ اِسی نشاں سے نِکھر

حیات سمتِ فنا صِرف گامزن عجبر
ہمیں تو کرنا ہے اِک روز اِس جہاں سے سَفر

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذو قافیہ غزل

رنگ لائے گا تری محنت کا کل
صبر دیتا ہے سدا برکت کا پھل

جاں بلب انسان ہیں حالات سے
ہم پلائیں تو انھیں خدمت کا جل

رہنمائی آپ کی بے سود ہے
جب نہ نکلے آپ سے ملت کا حل

جوہری قوت کو لے کر آدمی
کیوں تلا ہے لانے کو غارت کا پل

آج کل کیوں راہِ دینی میں سدا
سامنے آتا ہے بدعت کا جبل

ہے کٹھن عنبرؔ جو راہِ زندگی
ساتھ لے کر کارواں ہمت کا چل

ذوقافیہ غزل

دِن بھر کا تھکا ہارا ہے ، اور بَس کا سَفر اُب
ہے لمبی قطار اِتنی تو پہونچے گا وہ گھر کَب

ہم طُرفہ تماشائی کے دِکھلائیں گے کَرتب
اِس دَور میں جی لینے کا آجائے اگر ڈَھب

صابر کو تُوکّل کی قِناعت کی ضرورت
بے صَبر ہی سوچے گا کہ پائے گا ثَمر کَب

بڑھتا ہوا پانی ہے کَمر تک تو نِکلئے
غرقاب ہی ہو جاؤ گے تم ڈوبے گا سَر جَب

حَق زیرِ عَمل ہے تو تُجھے کہنے کا حق ہے
کِردار اگر ساتھ ہے تو بَند نہ کرُ لَب

عنبرؔ میں ہنسوں خودُ پہ کہ ہنسنے کے ہوں قابِل
توفیق مجھے دے کبھی ہنسنے کی اگر رَبّ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۲
ذوقافیہ غزل

شکایتوں کے کئی رنگ بھر گیا ، اِک شخص
کچھ اِس طرح سے مجھے تنگ کر گیا ، اِک شخص

اُسے شہید کہیں بھی تو کِس طرح سے کہیں
خلافِ حق تھا ، کیا جنگ ، مَر گیا ، اک شخص

خُلوص و مہر و وفا سے بھری صداقت کا
وہ راستہ تھا بہت تنگ تر ، گیا ، اک شخص

ہدایتیں بھی مِلیں ، حُکم بھی ، اِشارے بھی
مگر کبھی نہ صحیح ڈھنگ پَر گیا ، اک شخص

وہ خوفناک تھا منظر کسی تباہی کا
جو دیکھ کر ہی مِرے سنگ ڈر گیا ، اک شخص

ضروری ہے کہ لیاقت بڑھائیے عنبرؔ
صلاحیت سے ہمیں دنگ کر گیا ، اک شخص

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذوقافیہ غزل

اِس طرح وہ مِرے اِحساس کے دَر کھولے گا
میری تنقید میں کچھ وقت اگر بولے گا

نیچی پرواز ہی کافی نہیں شاہیں کے لئے
بیکراں ہوگی بلندی تو وہ پَر تولے گا

کیسے رُسوائی سے اب کوئی بچائے دامن
صرف سایہ ہی ہے وہ ، ساتھ مگر ہولے گا

نئی تعمیر کی خاطر ہے ضروری تخریب
ٹھیک تعمیر جو کرنی ہے تو گھر کھولے گا

بات توفیق کی ہوتی ہے مراحل میں ! میاں
اُس میں طاقت ہو تو وہ زادِ سفر ڈھولے گا

آئے کب وقت سکوں فکرِ جہاں میں عنبر
نیند جب اپنا دکھائے گی اثر سولے گا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذو قافیہ غزل

بلبلِ گلستاں کے ، جو سروں میں ہے شرارت
نہ کلی میں بانکپن ہے ، نہ گلوں میں ہے صباحت

ہے مرض نفاقِ ملت ، تو یہ قوم مر رہی ہے
نہ نسوں میں تازگی ہے ، نہ رگوں میں ہے حرارت

ہو مقام تیرا بہتر صفِ آدمی میں کیسے
نہ ہے علم کا ذخیرہ ، نہ کلوں میں ہے مہارت

یہ ستم ہے دشمنوں کا کہ معاشرے کے اندر
نہ لبوں پہ مسکراہٹ ، نہ دلوں میں ہے ملاحت

یہ بگاڑ دور کا ہے ، تو نظارہ وحشتوں کا
وہ تباہیاں ہی لائے ، جو رخوں میں ہے بغاوت

سبھی کر رہے ہیں عنبر بڑی واہیات باتیں
نہ زباں میں ہے فصاحت ، نہ گھروں میں ہے نفاست

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذوقافیہ غزل

جن میں خوبی ہے وہ جذبات نہاں ہیں اب تک
منفی ہی فکر کے صدمات رواں ہیں اب تک

کوکھ سے درد کی جنمے تھے جو آنسو بن کر
وہ سلگتے سے سوالات جواں ہیں اب تک

سارے حالات یقیناً جو بدل سکتے ہیں
ذہن میں کیوں وہ خیالات گماں ہیں اب تک

سوچا جاتا ہے کہیں آگ نہ لگ جائے مگر
آشتی ، امن کے حالات دھواں ہیں اب تک

نوعِ انساں کے مسائل کا جو حل ہوتے ہیں
کیوں؟ جہاں پہ وہ خیالات گراں ہیں اب تک

جب عمل میں نہ ہوں عنبر تو بھلا ہو کیسے
ہر دلی کے کہے شذرات بیاں ہیں اب تک

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

میرے اور میرے بُزرگ اُساتذہ کے مطالعے اور تحقیقی

جائزے کے مطابق اِن ذو[۲] قافیہ غزلوں کے کہنے کے اہتمام کی تمثیلات مل جاتی

ہیں۔

لیکن اب پیش کی جانے والی تین[۳]، چار[۴]، پانچ[۵] اور چھ[۶] قوافی

جیسے لوازمات کی پابندی میں کہی جانے والی غزلوں کی کوئی تمثیل اردو شاعری کی

تاریخ اور تہذیب میں نہیں ملتی۔

اِس لئے شاید یہ منفرد اور نادر کارِسخن کا درجہ رکھتی ہوں!

عنبر خلیقی

سہ قافیہ غزل

(تین قافیوں جیسے التزام سے کہی گئی غزل)

بینائی دل کی ہو عنایت مولیٰ یہ سوغات کرے
دانائی کی یہ ہے کرامت علم و فن خیرات کرے

ایک ہی در ہم نے جانا تو کام کیے عظمت کے سب
ہرجائی کا کام ذلالت وہ بے جا حرکات کرے

ویسے ہی من ہار کے بیٹھے، دِل کے کاروبار میں سب
انگڑائی کی یہ ہے شرارت اور فزوں جذبات کرے

دل کے اُجڑنے کے عالم میں یہ بھی الم کا پہلو ہے
تنہائی میں غم کی حکومت کتنے عطا صدمات کرے

قدرت کے مظہر سے عنبر دل کا سکوں یوں ملتا ہے
رعنائی پھولوں کی صباحت، جب آنکھوں سے بات کرے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سہ قافیہ غزل

(قافیاتِ مرکب کے ساتھ)

ہجر کے لمحے آ آ کر جب ہم پر دوبھر رات کریں
آگ بجھانے کو دل کی تب اشکوں کی برسات کریں

نفرت کی چادر کے پیچھے ، فوج درندوں کی اوجھل
موقع ان کو مل جائے کب اور وہ ہم پر گھات کریں

حرص و ہوس ، عیش و مستی کو دیکھے اور خاموش رہے
دُنیا شور مچائے جب جب دل سے دلبر بات کریں

جینا مشکل ہوجائے اور دِل کا سکوں درہم برہم
شور شرابہ لے کر وہ سب کچھ ایسی حرکات کریں

عنبر کی دِن رات دعاء ہوتی ہے سعادت مِل جائے
آسانی پیدا کردے ربّ ہم وقفِ عرفات کریں

چہار قوافی غزل

(چار قافیوں جیسے التزام سے کہی گئی غزل)

بڑی سادگی سے اَلم میں یوں اَجل آئی اور بِکھر گئے
تِری دِلبری کی قسم سے جب نِکل آئے ہم تو کدھر گئے

تھیں ضروریات کی گھاٹیاں، کھڑے حاجتوں کے پہاڑ تھے
غمِ زِندگی کا کرم ہوا تو جَبل کے پار اُتر گئے

نہیں کھویا وقت کو عیش میں نہ گھٹایا ظرف کو طیش میں
تِری بندگی کو قدم بڑھا تو عمل کے زیرِ اثر گئے

چلے آئے تھے میاں شوق میں رہِ حق میں آئیں جو سختیاں
تو ہنسی خوشی کا بھرم ہی تھا جو خلل پڑا تو نکھر گئے

یہ تو دیکھا عنبر زار نے کہ بہک چلے تھے جہاں کے لوگ
مِری شاعری کا قلم جہاں میں نکل پڑا تو سنور گئے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۵

پنج قوافی غزل

(پانچ قافیوں جیسے التزام سے کہی گئی غزل)

سدا رہی مہربان غیرت بہار عظمت کی لوٹ لائے
ہے صبر کے درمیان اُلفت قرار دل کا نہ چھوٹ پائے

تلاش میں ہوں کوئی مہندس بچا لے میری مَتاعِ غُربت
شکستہ میرا مکان حضرت نزار جھونکوں سے ٹوٹ جائے

سخن کی بھاری عمارتیں ہیں جو ان کو تھامیں بنا ہی لے گا
کوئی مفکّر مہان محنت شعار شاعر اَٹوٹ پائے

عجیب دستِ شفاء ہیں قدرت کے پھر یہ ممکن ضرور ہوگا
بچانے کو میری جان رحمت قرار کی بوٹی کوٹ لائے

شبیہ جیسی ہے ویسا سایہ نظام قدرت یہی ہے عنبر
ہیں جھوٹ کے سائبان قدرت اُتار دیتی ہے جھوٹ سائے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پنج قوافی غزل

(پانچ قافیوں جیسے التزام سے کہی گئی غزل)

دل سسکتا تڑپتا رہے اس لئے غم کی گہرائیوں میں چلے جائیں گے
من مچلتا اُچھلتا رہے دم بہ دم وہ سیہ کاریوں کی ہی لَے گائیں گے

ہے بھلے کا نتیجہ جو اکثر بھلا تو بھلائی بہرحال کرنا ہمیں
دہر کا سلسلہ کرلے جو بھی ستم اپنی اچھائیوں سے صِلے پائیں گے

اپنے مطلب میں سب مبتلا ہو گئے مقصدِ زندگی فوت ہوتا رہا
ہیں عجب مرحلہ بیویوں کے قدم بھائیوں میں جو شکوے گلے لائیں گے

چوٹیاں اُونچے اُونچے پہاڑوں کی یوں بوجھ بن کر گریں گی اُنھیں پر میاں
دیکھنا ماجرا تم خدا کی قسم وادیوں میں اگر بے سُرے گائیں گے

دشتِ اُمید کی بیکراں وسعتیں ، سلسلے خواہشوں کے بھی چھُولیں فلک
کم اگر حوصلہ ہے بڑھا لے حجم ، گھاٹیوں میں کئی مرحلے آئیں گے

طنز و تشنیع عنبر کریں گے سدا ، یہ بھرم کے پجاری ، غلامِ انا
چاہے جتنا بھلا آپ کرتے رہیں کم ہی خودرائیوں کو بھلے بھائیں گے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شش قوافی غزل

(چھ قافیوں جیسے التزام سے کہی گئی غزل)

نصیب سوتا رہا ہے جن کا عمل سے وہ دور تر ملیں گے
عجیب قصہ ہُوا کہ شکوہ کناں وہی سر بسر رہیں گے

ہے دُردِ دِل وہ بَلا کہ جس کے عِلاج کے واسطے جہاں میں
طبیب پیدا ہُوا نہ ہوگا مریض ہی دربدر پھریں گے

قضا سے واقف ہیں ہم ازل سے ہے فِتنہ سازی ہماری فِطرت
خطیب پایا گیا جو سیدھا اسے تو ہم مار کر مریں گے

ہے آمرانہ مزاجِ دَوراں، حقیقتوں سے جِسے عداوت
مُہیب حملہ ہُوا جفا کا، نہیں وہ حق گو مگر ڈریں گے

تھی بے رُخی تپتا صحرا عنبرؔ تو زِندگی کے پڑے تھے لالے
قریب سایہ ملا وفا کا اُسی کے زیرِ اَثر جئیں گے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شعری کدوکاوش کا یہ مظاہرہ جو دو، تین، چار، پانچ اور چھ قافیوں جیسے التزام سے غزلیں کہنے کی کامیاب ترین کوششیں ہیں، ان کی مثال کیا شعروسخن کی دنیا پیش کرسکتی ہے۔ بے پناہ دماغ سوزی، جاں فشانی اور قابلِ قدر فنی مہارت ہی ان نادر کاموں کو ممکن بنا سکی ہے۔ ''اردو زبان'' کے شعری ادب کی اس مایۂ ناز خدمت پر ہم جناب الحاج عنبرؔ خلیقی صاحب کو کچھ نہیں تو خراج عقیدت تو پیش کرہی سکتے ہیں۔

اب آگے عنوانات کی شاعری کا ایک اور نادر اور انوکھا کارنامہ سامنے آرہا ہے۔ جس میں اہتمام یہ ہے کہ غزل کے شعر کے پہلے مصرعے میں تین، چار، پانچ، اور چھ باتوں اور عنوان کا ذکر کرکے دوسرے مصرعے کے قافئے کا تعین ان کے مطابق کرکے ان باتوں سے اس قافئے کے لفظ کو مربوط کردینا ہے۔ یہ بھی حد درجہ دماغ سوزی، جاں فشانی محنت اور قابلِ قدر ہنرمندی کے کام ہیں۔

اب حد سے زائد فنکارانہ جاں فشانی اور عرق ریزی سے کی گئی شعروسخن کی ان کامیاب اور نادر کاشوں پر صرف خراج عقیدت سے کام نہیں چلے گا۔ یہاں صاحبِ قلم کے لئے دعاء کرنے کے لئے بھی ہاتھ اٹھانے پڑیں گے۔

مولانا رحمت اللہ راشدؔ احمد آبادی

☆ ☆ ☆

تین عنوانات کی غزل

ذکر اور فکر میں ہے اب تثلیث
اس غزل کا بنی سبب تثلیث

پھول، پتوں کے ساتھ کانٹے ہیں
صحن گلشن کی پر غضب تثلیث

عشق، رسوائی، ہجر سامانی
کرتی رہتی ہے جاں بلب تثلیث

فکر و فن ہو تو ہو بصیرت بھی
مانگتا ہے یہی ادب تثلیث

روحِ اقدس، خدا بھی، بیٹا بھی
عیسوی دیں میں بوالعجب تثلیث

تال اور سر کے ساتھ ہو آہنگ
آگئی ہے یہ زیرِ لب تثلیث

تن بھی اور من و دھن بھی ہوں عنبر
کامیابی دلائے تب تثلیث

چار عنوانات کی پابندی سے کہی گئی غزل

اب وقت اٹھائے گا سوالات اُدھر چار
تیار ہیں اپنے بھی جوابات اِدھر چار

اعزاز و تکریم و توقیر و توصیف
ہو صبر و تحمل تو یہ ملتے ہیں ثمر چار

یہ آگ، یہ مٹی، یہ ہوا اور یہ پانی
ممکن ہی نہ تھی زیست یہ ہوتے نہ اگر چار

خواہش کے، تمنا کے و امید و وفا کے
ٹوٹے ہی چلے جاتے ہیں یہ کانچ کے گھر چار

روزی کے، سیاحت کے، زیارت کے یا علمی
انسان کیا کرتے ہیں ایسے ہی سفر چار

تعمیر و صناعی، سخن گوئی و ایجاد
قدرت نے ہی بخشے ہیں مجھے ایسے ہنر چار

ختبر یہ اضافہ بھی ہے ترویج سخن بھی
کہنے کو غزل ڈالے گئے قافیے گر چار

پانچ عنوانات کی پابندی سے کہی گئی غزل

جھیل کے پاس جلتے دِیے پانچ ہیں
منعکس آب میں لہرِئے پانچ ہیں

کلمہ[۱]، صوم[۲] و صلوٰۃ[۳] و زکوٰۃ[۴] اور حج[۵]
دِیں کی بُنیاد یہ قائدے پانچ ہیں

علم[۱] و فن[۲]، شاعری[۳] اور فکر[۴] و عمل[۵]
ہر گھڑی سامنے مرحلے پانچ ہیں

سیر[۱]، شطرنج[۲]، تعمیر[۳]، محنت[۴]، ہنر[۵]
میری ہستی میں یہ مشغلے پانچ ہیں

کاہلی[۱]، بزدلی[۲]، بغض[۳]، حرص[۴] و ہوس[۵]
توڑ ناداں یہی دائرے پانچ ہیں

ہجر[۱]، رسوائی[۲]، غم[۳]، اشک[۴]، سوز جگر[۵]
حاصلِ عشق یہ فائدے پانچ ہیں

شاعری کا کرم تجھ پہ عنبر ہوا
اک غزل میں تری قافئے پانچ ہیں

چھ عُنوانات کی پابندی سے کہی گئی غزل

آج عُنوان پہ عُنوان نِکالے چھ ہیں
مرحلے شعر میں اب ہم نے سنبھالے چھ ہیں

شرم ، عِفّت و حیا ، غیرت و تطہیر و ادب
دَرِ تہذیب کے ٹوٹے ہوئے تالے چھ ہیں

دین ، ایمان و عمل ، رحم ، وفا اور اخلاق
آدمیّت کی بَقا کے یہ حوالے چھ ہیں

علم و فن ، طرزِ سخن ، وعظ و نصیحت و ہنر
زِندگی تیرے اندھیرے کے اُجالے چھ ہیں

ناز ، عشوہ و ادا ، عیش و عشرت ، شوخی
جِن میں شیطان کی پُوجا ہو شِوالے چھ ہیں

بھوک ، بیکاری ، تھکن ، جھوٹ ، عداوت ، نفرت
جو گلے پڑتے ہیں وہ قہر کے ہالے چھ ہیں

دیدہ ریزی کی یہ تمثیل بنے گی عنبرؔ
اک غزل کہنے میں جو قافئے ڈالے چھ ہیں

جملہ حروف تہجی کی پوری ترتیب میں الف سے ی تک ایسی پابندی سے کہے گئے اشعار کہ جس حرف سے شعر کی ابتدا ہو اسی حرف پر شعر کا اختتام ہو۔ اس پابندی سے مندرجہ ذیل اشعار مختلف زمینوں اور بحروں میں کہے گئے ہیں۔

(الف) اک خدا جس کی خدائی کا یہ تخلیقی کمال
رنگ میں اور شکل میں بندے ہیں اس کے سب جدا (الف)

(ب) بات سے اور بنت نئے فقروں سے کیا
عاملِ حق پہلے بَن پھِر کر خِطاب (ب)

(پ) پاس ادب سے کام ہی لیتے ہیں خوش نصیب
پاس ادب نہ ہو تو رہیں بدنصیب آپ (پ)

(ت) ترک کر بیٹھے تعلق آپ سے
پھر بھی بن پاتی نہیں ہے کوئی بات (ت)

(ث) ثروت و دولت و حشمت ہے تو کیا
حشر میں کس کام کی ہے یہ اثاث (ث)

(ج) جبیں جھکے تو جھکے صرف مرضیٔ حق پر
اسی کے واسطے لازم ہے بندگی کا خراج (ج)

(ج) جو خرابی ہے زمانے پر محیط
دیکھ کر ان کو بگاڑیں کیوں مزاج (ج)

(چ) چاہیے ! ہاں چاہیے ! ہاں چاہیے
ہر جگہ ہر وقت اور ہر بات سچ (چ)

(ح) حادثوں سے ڈر گیا جو راہ رو
پائے گا منزل وہ اپنی کس طرح (ح)

(خ) خاکساری ہی مزاجوں میں رہے
ہے بلندی سے مُرصعّ صرف چرخ (خ)

(د) دعا کو ہاتھ اُٹھیں بعد ہر عبادت کے
چھپا ہوا ہے اسی میں تو دوجہاں کا مفاد (د)

(د) دامن میں بھر کے حوصلہ راہِ وفا میں چل
منزل رکھے گی قدموں میں عزمِ سفر کی داد (د)

(ذ) ذلتوں کے خوان پر کھاتا رہا
وہ غلط اطوار سے رزقِ لذیذ (ذ)

(ر) رازِ غم اشکوں نے افشاء کر دیے
ضبط کی ساری حدوں کو توڑ کر (ر)

(ز) زباں پہ لا کے کہانی بنایئے نہ انھیں
یہ چھوٹی چھوٹی سی باتیں ہیں کیجئے نہ دراز (ز)

(س) سر اُٹھا کر بات کر بنیاد کی
بات کیا ، جس کی نہ ہو کوئی اساس (س)

(ش) شعاعِ مہر و مروّت ، ضیاء وفا کی نہیں
سیاہ دہر میں کیسے کریں خلوص تلاش (ش)

(ش) شک کے حجرے میں پڑے برباد ہیں
حق یہ ہے، ہم کو نہیں، حق کی تلاش (ش)

(ص) صبر و ضبط و استقامت اور عمل
کامیابی کی ضمانت ہیں یہی ان کے خواص (ص)

(ض) ضربِ کاری ہم لگا سکتے تو ہیں ہر حال میں
اس سے پہلے ہم کیا کرتے ہیں لیکن غور و خوض (ض)

(ط) طبیعتوں کے، مزاجوں کے جانچنے والے
جو فیصلہ بھی کریں گے نہ ہو سکے گا غلط (ط)

(ظ) ظلم و استبداد والے دہر میں
کیا کریں اپنے پرائے کا لحاظ (ظ)

(ع) علاج کے لئے غیروں کے در پہ دوڑ گئے
یونہی بڑھاتے رہے اور ہم ہی اپنا نزاع (ع)

(ع) عام ہوتی جارہی ہے بے ہودگی
ہم بچائیں کیسے عزت کی متاع (ع)

(غ) غالب پہ غلبہ پا گیا دنیا کا کیوں نظام
بے داغ کی جبیں پہ ہیں محرومیوں کے داغ (غ)

(غ) غلام ہے جو شبِ تار، حرص و آز کا وہ
برائیوں کے جلائے نہ کیوں جہاں میں چراغ (غ)

(ف) فرد ہیں افراد لیکن ربط ملت میں نہیں
اوڑھ کر بیٹھی ہے ملت جانے کتنے اختلاف (ف)

(ف) فکر اپنے اور پرائے کی رہے
خود پرستی کا نہ ہم اوڑھیں غلاف (ف)

(ق) قتل کرنا مرا آسان بہت ہے تو جناب
دے خدا جب تمھیں اس کی توفیق (ق)

(ک) کلامِ خوش بیاں لائیں کہاں سے
نہیں معراج ذہنی خوبیوں تک (ک)

(گ) گرم و سرد زندگی میں کارِ دیں چلتا رہے
مسئلہ وہ کب الگ ہے اور یہ ہے کب الگ (گ)

(گ) گل کھلے ، لالہ کے ، گلشن میں لگی
خوشنما ، خوش رنگ ، خوشبودار آگ (گ)

(ل) لازماً پھونکیں گے یہ خوشیوں کے گھر
بے حیائی اور اخلاقی زوال (ل)

(م) مشکلیں بھی مشکلیں لگتی نہیں
سامنے ہوتا ہے جب مقصد عظیم (م)

(ن) نازِ دنیا جو اٹھانے میں ہو گم
جائے دنیا سے وہ بے نام و نشان (ن)

(و) وقارِ زندگی بے حد ضروری
جہاں جاؤ حیا کے ساتھ جاؤ (و)

(ہ) ہر طرف سے آئیں گے طعنوں کے تیر
مردِ آہن بن ، وفا کے ساتھ سہہ (ہ)

(ی) یقیں کی راہ میں ہم کو کہاں نہیں ملتا
گماں کے حجروں میں دنیا ملے ، خدا نہ ملے (ی)

(ے) یاد ہو اللہ کی اور معرکہ روزی کا ہو
یہ عبادت ہی تو اصل دین اور ایمان ہے (ے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذو قافیہ نعت پاکِ مصطفےٰ ﷺ

نہاں خانے میں دِل کے جب عقیدت جاگ جاتی ہے
نبیؐ کا نام لیتا ہوں تو رحمت یاد آتی ہے

بھرا ہو رحمتوں سے ہی شفاعت کا جہاں سایہ
وہاں اُمّت کے ہونے پر قیامت مُسکراتی ہے

گناہوں سے کرو توبہ یہی فرمانِ آقا ہے
خدا کے ہر غضب سے یہ ندامت بخشواتی ہے

ہدایت ہے کہ مت کھیلو کبھی بھی مالِ دُنیا سے
فنا کی راہ میں، نیکی عبادت ساتھ جاتی ہے

جہادِ زندگی ''روزی کا حاصل'' ہے شریعت میں
حلالِ رزق وہ ہوتا، مشقت جو کماتی ہے

نبیؐ غزوے میں جب جاتے، سپہ سالار کی صورت
فتح اور کامرانی کے قیادت گُل کھلاتی ہے

نبوّت کے سبھی قول و عمل سے یہ ہُوا عنبر
شرافت جیت جاتی ہے شرارت ہار جاتی ہے

ذو قافیہ اور بدلتی ردیف کی غزل

انسانوں کی پستی ہے میخانے در میخانے
ایک تباہی بہتی ہے پیمانے در پیمانے

فرزانے تو فرزانے ہیں رازِ جنوں یہ کیا جانیں
ہوش کی دُنیا لُٹتی ہے دیوانے در دیوانے

شمع کی لَو پر آ آکر یوں خود ہی جلتے رہتے ہیں
اِک قربانی رہتی ہے پروانے در پروانے

نادانوں سے بات کریں کیا حِکمت اور دانائی کی
بات خِرد کی چلتی ہے فرزانے در فرزانے

ہر ہستی کے ہنگامے کی اور دُکھ سُکھ کے رِشتوں کی
بات وہی تو ملتی ہے افسانے در افسانے

محفل کی جب بھیڑ بھاڑ سے اُکتاہٹ سی ہو جائے
تنہائی جا بستی ہے ویرانے در ویرانے

عنؔبر جب اپنوں نے رُخ کو موڑ کے ہم کو چھوڑ دیا
اپنی ہستی پلٹتی ہے بیگانے در بیگانے

غزل ایک طویل ترین سفر طے کرتی ہوئی موجودہ دور تک آپہونچی ہے۔اپنے سفر میں کہیں گل وبلبل اور زلف ورخسار کے بیان کہیں ہجر والم اور رسوائی کی داستان کہیں سماجی ومعاشرتی بحران اور کہیں نفع ونقصان کی داستانیں سناتے ہوئے آج علامتی چیستاں میں آپھنسی ہے۔

غزل اپنے لغوی معنی اور عورتوں سے یا عورتوں کی بات چیت کے مفروضی معنی سے ہٹ کر آج ایک اسلوب بیان کی صورت اختیار کر گئی ہے۔فکر وخیال جو بھی اور جیسے بھی ہوں انھیں اشعار کی صورت میں نظم کرنے کے لئے اسی قائدے کو ملحوظ کیا جاتا ہے جس کا تعین بزرگوں نے کر دیا ہے۔

اس متعینہ اسلوب سے استفادہ حاصل کر کے عنبر خلیقی صاحب نے غزل کی ہی پابندی میں ایک اختراعی اسلوب اختیار کیا ہے۔ جسے وہ مسلسل مصرعوں کا اسلوب کہتے ہیں۔اور اس اسلوب سے وہ تسلسل کے ساتھ مصرع در مصرع بات کی وضاحت، تائید اور تاویل ایک مسلسل مطلع کی صورت میں کرتے جاتے ہیں۔

ہمیں ان کی یہ اختراعی کاوش بہت کارآمد اور بیان کے اعتبار سے بہت خوبصورت لگتی ہے۔آہنگ کے ساتھ لفظوں کا ایک جھرنا مضمون آفرینی کرتا ہوا بہتا لگتا ہے۔ یہ پورا اختراعی کار سخن غزل کے اسلوب کی پوری پابندی بھی کرتا ہے اور اسے غزل کے دائرے میں ہی رکھ کر نظم بناتا ہے۔یہ بے مثال کاوش فنی مہارت کی دلیل بھی قائم کرتی ہے اور صنعتی اور تکنیکی لحاظ سے ترویج اور ارتقائے سخن کا باعث بھی قرار دی جاسکتی ہے۔ مسلسل مصرعوں کا بحر، قافیہ اور ردیف کا لحاظ رکھتے ہوئے استعمال جناب عنبر خلیقی اس خاص مقصد سے کرتے ہیں کہ کم سے کم الفاظ میں عنوان یا قائم کردہ نفس

مضمون کا حق ادا ہو جائے اور پوری بات ایک واضح اور مکمل فریم میں سامنے آجائے۔

یہ محنت، جاں فشانی، عرق ریزی اور دیدہ ریزی اردو زبان کی ترویج اور ارتقاء کا جامع پہلو ہے اور ثابت کرتا ہے کہ حاجی عنبر خلیقی اردو زبان کے ایک جفاکش پر خلوص خادم ہیں اور اپنے منفرد انداز فکر و بیان کی وجہ سے قابل قدر و احترام بھی۔

مولانا رحمت اللہ راشد احمد آبادی

☆ ☆ ☆

زندگی

مسلسل مصرعوں کی صنعت میں

زندگی تو ہی بتا تو مِری کیا لگتی ہے؟

ایک آسودہ تبسّم یا بلا لگتی ہے؟
یا کوئی سِلسلۂ جُرم و خطا لگتی ہے؟
یا مِرے جُملہ گناہوں کی سزا لگتی ہے؟
یا کِسی رازِ نہانی کا سِرا لگتی ہے؟
یا کوئی رازِ خودی یا تو انا لگتی ہے؟
یا کوئی جامِ مسرّت سے بھرا لگتی ہے؟
یا کوئی نوحۂ غم دَرد نُما لگتی ہے؟
یا کِسی فتنۂ دِلکش کی ادا لگتی ہے؟
یا کِسی شرمِ نگاہی کی حیا لگتی ہے؟
یا کِسی بِگڑے مُقدّر کا لِکھا لگتی ہے؟
یا مِرے حَرفِ ندامت کی دعاء لگتی ہے؟
یا کِسی لُطف و لَطافت کی عطا لگتی ہے؟
یا کسی بارِ گراں سے بھی سوا لگتی ہے؟
یا کوئی مَنصب و اِنعام و صِلہ لگتی ہے؟
یا کوئی شِکوہ شِکایت یا گِلہ لگتی ہے؟

جو بھی تُو کہتی ہے وہ جلد بتا دے آ کر
ورنہ سمجھوں گا کہ تُو مجھ سے خفا لگتی ہے

حق سے اِنکار بہر حال غلط ہے عنبر
مان لو بات اگر تم کو بجا لگتی ہے

زندگی

کِتنے طوفان تو ساحِل کِتنے
زِندگی تیرے مراحِل کِتنے

کِتنے راہوں میں بھٹک جاتے ہیں
اور پالیتے ہیں منزل کِتنے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دینداری

(مسلسل مصرعوں کی صنعت میں)

اِبتدا سے اِنتہا تک مُبتدی کی بات ہے
آپ یہ ہرگز نہ سمجھیں شاعری کی بات ہے
فِکر کی اِحساس کی اور آگہی کی بات ہے
یہ تصنّع سے مُبرّا سادگی کی بات ہے
ہادیٔ برحق کی، نبیوں کے نبی کی بات ہے
بوبکرؓ، عثمانؓ، عمرؓ، حضرت علیؓ کی بات ہے
ماضی میں پھیلی ہوئی چودہ صدی کی بات ہے
آج بھی اتنی نئی جیسے ابھی کی بات ہے
دل کے ہر گوشے میں پھیلی بے کلی کی بات ہے
میں جو کہنے جا رہا ہوں آپ ہی کی بات ہے
ڈر رہے ہیں، مَر رہے ہیں، کیوں اَمر ہوتے نہیں
نام حق پر ہی لٹے جب زندگی کی بات ہے

ذوقِ ایماں تو نہیں رسماً نبھانے کے لئے
جان و دل کی دین سے وابستگی کی بات ہے

جب خدا حامی و ناصر اور بندہ مطمئن
کس لئے ملّت میں پھیلی بے کلی کی بات ہے

سُست فہمی، سُست گاہی، جرمِ دنیا، جرمِ دیں
جوشِ ایماں میں ضروری تندہی کی بات ہے

دل لگی ہر گز نہیں ہے حق شناسی حق روی
یہ تو جاں سوزی کی اور دل کی لگی کی بات ہے

یہ نئی تہذیب کا حسنِ کرم ہے دوستو
آدمیّت سے مبرّا آدمی کی بات ہے

ہوش مندی کی ضرورت ہے عمل کے واسطے
اور نگاہوں میں کسی کی بے خودی کی بات ہے

سیدھا سادہ صاف مذہب جس کے ہیں سادہ اُصول
اس قدر پُر پیچ پھر کیوں مولوی کی بات ہے

کل کا دن آئے گا عنبر یا نہ آئے گا کبھی
کر لو کچھ حسنِ عمل بس آج ہی کی بات ہے

آزاد وطن کے قیدی

(مسلسل مصرعوں کی صنعت میں)

آزاد قلم ہے یہاں تلوار بھی آزاد
دستور بھی آزاد ہے دستار بھی آزاد
اَب کِس کی زباں بند ہے گفتار بھی آزاد
لَے کی بھی یہاں تیزی تو رفتار بھی آزاد
پائل بھی کہاں قید ہے جھنکار بھی آزاد
عورت کے کھُلے جسم کا بیوپار بھی آزاد
دَہشت کا ہوسناکی کا ہر وار بھی آزاد
خنجر بھی کھُلے ہیں یہاں اور دھار بھی آزاد
آزاد سواری ہے تو رَہوار بھی آزاد
کارِندے بھی آزاد ہیں بیکار بھی آزاد
اِنصاف کا ایوان بھی دربار بھی آزاد
یہ دیکھا کہ رِشوت کا ہے بازار بھی آزاد
ہر راز کھلا ہے یہاں اُسرار بھی آزاد
جنتا بھی ہے آزاد تو سرکار بھی آزاد

پھر کیسے کہاں لگتا ہے ہم صَید یہاں ہیں
پنجرہ نہ سلاخیں ہیں مگر قید یہاں ہیں

نفرت کے ہیں بندھن تو مسائل کے ہیں پنجرے
دہشت کے بھی وحشت کے ہر اک سمت ہیں پہرے
بیکاری و مایوسی کے احساس ہیں گہرے
بیماری سے اور بھوک سے کمھلائے یہ چہرے
مہنگائی کی وہ تیزی جہاں پاؤں نہ ٹھہرے
نیتا کے دکھائے ہوئے ہر خواب سنہرے
الگاؤ کے نعروں کے کئی سمت ہیں گھیرے
کرسی پہ جو بیٹھے ہیں وہ حاکم ہوئے بہرے
مذہب کے مسائل نے ہیں ڈالے یہاں ڈیرے
اور فتنہ فسادوں کے یہاں کتنے ہیں پھیرے

شاید انھیں زنجیروں میں بھارت ہے ابھی قید
چھٹکارہ ملے ان سے تو آزاد ہو بھارت

چھٹکارہ ملے ان سے تو آزاد ہو بھارت

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دردِ ملّت

(مسلسل مصرعوں کی صنعت میں)

زیر سوچیں نہ ہم زبر سوچیں
خوف سوچیں نہ کوئی ڈر سوچیں
بستی بستی نگر نگر سوچیں
قریہ قریہ ڈگر ڈگر سوچیں
لحہ لحہ ہی سر بسر سوچیں
میں ادھر سوچوں آپ ادھر سوچیں
جو بھی سوچیں وہ بے خطر سوچیں
اختلافات ہیں بہت لیکن
قوم و ملّت کے نام پر سوچیں

اِتنی قربانیوں کے بعد ہنوز
آپ کیوں خون میں ہیں تر سوچیں

راہِ حق میں یہ دِل نہیں کافی
کِتنا دے پائیں گے جِگر سوچیں

کامیابی یقین بن جائے
کام کرنے سے پیشتر سوچیں

بات بے بات سے ہے کیا حاصل
بات جب سوچیں با اُثر سوچیں

یہ ضمانت ہے کامیابی کی
خوب محنت تو مختصر سوچیں

جو دلوں کو ملا سکے عنبرؔ
آؤ ایسا کوئی ہنر سوچیں

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

حریفِ حرفِ دعاء جنبشِ حیات نہ کر
مآلِ عصیاں کی شوکت سے التفات نہ کر

ترا عروج تری مغفرت میں پنہاں ہے
سپُردِ لعنتِ دنیا کو اپنی ذات نہ کر

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شہیدی سلام

(مسلسل مصرعوں کی صنعت میں)

حسین! چل تو پڑے اور راہ انجانی
حسین! جن کی طرف بڑھ رہی تھی شیطانی
حسین! کے لئے اپنے تھے دشمنِ جانی
حسین! کے لئے بڑھتی گئی پریشانی
حسین! کے لئے اپنائیت تھی بیگانی
حسین! اور یزیدوں کی بات لایعنی
حسین! اور ستم در ستم تھے طوفانی
حسین! پیاسے تھے اور ان پہ بند تھا پانی
حسین! نے یہاں تائیدِ حق کی ہی ٹھانی
حسین! تھے کہ شجاعت کی ایک جولانی
حسین! دے ہی گئے بے مثال قربانی
حسین! نے ہی بڑھایا وقارِ انسانی
حسین! بن گئے طاغوت کی پریشانی
حسین! باعثِ ترویجِ نورِ ایمانی
حسین! عاملِ بین السطورِ قرآنی
حسین! نے کبھی چاہی نہیں تھی آسانی

اصولِ دیں ہی ان کی نظر میں تھا عنبرؔ
حسین! نے کبھی چاہی نہیں تھی سلطانی

یہ تمام "ترویج سخن" کے لئے کئے گئے مسلسل مصرعوں کی صنعت میں حاجی عنبر خلیقی کے طبع زاد کارِ سخن پیش کئے گئے ہیں۔

عنبر صاحب نے طرحی مشاعروں کے لئے دئے گئے مصرعوں پر بھی طبع آزمائی کر کے اُنھیں ان مشاعروں میں اسی مسلسل مصرعوں کی صنعتی پابندی کی کاوشات کو ان مشاعروں میں پڑھا بھی ہے۔ آگے وہی طرحی کاوشات پیش کی جارہی ہیں۔ ان میں اہم ترین وہ کاوش ہے جو "عکس شارق جمال مرحوم" کے نام سے نظم ہوئی۔

"امینِ سخن" حضرت علامہ شارق جمال کا انتقال ۱۳؍ ستمبر ۲۰۰۳ء کو ہوا۔ ان کی یاد میں ۱۸؍ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو کامٹی میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔

یہ مشاعرہ طرحی تھا اور اس مشاعرے میں جو طرحی مصرع تجویز ہوا وہ بھی حضرت شارق جمال مرحوم کی ہی غزل سے لیا گیا تھا۔ مصرع طرح تھا۔

"کیا مُطمئن ہو آج کے تم ناخداؤں سے"

عنبر صاحب نے اس مصرع پر طبع آزمائی کر کے "عکسِ شارقِ جمال مرحوم" پیش کیا، مسلسل مصرعوں کی صنعت میں، یہ طرحی مشاعروں کی تاریخ میں ایک انوکھا اور نادر کام قرار دیا جاسکتا ہے۔

مولانا رحمت اللہ راشد احمد آبادی

☆ ☆ ☆

"عکسِ شارقؔ جمال مرحوم" مطروحہ
(مسلسل مصرعوں کی صنعت میں)

کِس کا اَدب میں نام ہے روشن عطاؤں سے
آتی ہے کِس کی بُوئے تُرقّی فِضاؤں سے
لڑتا رہا تھا کون سخن کی ہواؤں سے
وادی سُخن کی پُر ہوئی کِس کی وَفاؤں سے
نِسبَت کِسے نصیب تھی شہروں سے گاؤں سے
کس کے لئے زمیں ہے بھرِی ہمنواؤں سے
کس کو خدا بچاتا تھا ہرزہ سَراؤں سے
دامن بچاتا کون تھا شرَ سے بَلاؤں سے
تمثیل کِس کی مِلتی رہی پارساؤں سے
وابستہ کِس کی فِکر رہی بے نواؤں سے
نِکلا خیال کِس کے قِلم کی اَداؤں سے
"شارقؔ جمال" میرِ سُخن دے گئے سوال
"کیا مُطمئن ہو آج کے تم ناخداؤں سے"

کیا مطمئن ہو آج کے تم ناخداؤں سے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مدرسۂ حسینیہ مومن پورہ ناگپور کے سالانہ نعتیہ مشاعرے کی طرح
" ماسوا سے بھی سوا آپ رسولِ عربیؐ " پر

مطروحہ نعتِ پاکِ مصطفٰے ﷺ

ہیں ہدایت کی اُدا آپ رسولِ عربیؐ
اور نبوّت کی ضیا آپ رسولِ عربیؐ
رحم و اکرام و عطا آپ رسولِ عربیؐ
اور مُروّت کی فضا آپ رسولِ عربیؐ
رحمتِ کلّ کی بقا آپ رسولِ عربیؐ
مرکزِ جوَد و سخا آپ رسولِ عربیؐ
ساری اُمّت کی دواء آپ رسولِ عربیؐ
سچ ! کہ محبوبِ خدا آپ رسولِ عربیؐ
عرش پر جلوہ نُما آپ رسولِ عربیؐ
فرش پر راہ نُما آپ رسولِ عربیؐ
مرضئ حق کی رضا آپ رسولِ عربیؐ
گلشنِ دیں کی صبا آپ رسولِ عربیؐ
کر گئے دیں کو عطا آپ رسولِ عربیؐ

خوبیاں ساری ہر ایک دور کی بتلاتی ہیں
"ماسِوا سے بھی سِوا آپ رسولِ عربیؐ "

مدرسۂ حسینیہ مومن پورہ ناگپور کے طرحی مسالے کے لئے

مصرع طرح ''حسینی خون میں گرمی ہے آغوش رسالت کی'' پابندی پر

بارگاہِ رسالت میں فریاد اور شہیدی سلام تاریخی حقائق میں

(مسلسل مصرعوں کی صنعت میں)

وہ ہم، پہونچی ہے جن تک بات، احکامِ رسالت کی
مگر غفلت میں ہم نے آج اپنی کیسی حالت کی
حفاظت کر نہ پائے ہم ہی ایمانی ہدایت کی
کئی خودساختہ باتوں سے اس میں ہی خیانت کی
نشانی بھی نہیں ہے آج چہروں پر خجالت کی
زیادہ بڑھ گئی جب حد ہماری ہر شرارت کی
سزا ملتی چلی ہے آج اس کفرانِ نعمت کی
جہاں میں اب کہانی عام ہے اپنی جہالت کی
بڑھی جاتی ہے اپنی زندگی حد میں ذلالت کی

بدلنے کی کریں کچھ فکر عنبرؔ اپنی حالت کی

جھلک موجود ہے یوں اپنی، ماضی کی روایت کی
صدائیں گونجتی ہیں آج بھی حکمِ رسالت کی

درِ بوبکرؓ اِک تمثیل ہے صِدق و صَداقت کی
جہاں میں دُھوم بھی بُروقت فاروقی عدالت کی
کہاں مل پاتی ہے تمثیل عثمانؓ کی سخاوت کی
مثالِ حیدری موجود ہے ہِمت، شُجاعت کی
"حسینی خون میں گرمی تھی آغوشِ رِسالت کی"
شجاعت کے لئے وہ بھی گئے حد میں شہادت کی

شجاعت کے لئے وہ بھی گئے حد میں شہادت کی

اُس کا لَہولُہان بدن چُور چُور تھا
پِھر بھی وہ سَجدہ ریز خدا کے حُضور تھا

سَر کٹ گیا اِس حال میں جانِ عزیز دی
لیکن شِکستِ فاش سے وہ اَب بھی دُور تھا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۱۹۹۲ء کے بھاگل پور (بہار) کے آتشی فساد کے پسِ منظر کو لے کر گھوسی، ضلع اعظم گڑھ (یو.پی.) سے نکالا گیا مصرع طرح "خوں سے سینچا ہوا گلستاں جل گیا" کی پابندی سے انصار نگر مومن پورہ ناگپور کے طرحی مشاعرے میں پڑھا گیا کلام۔

آتشی فساد کا شاخسانہ

(مسلسل مصرعوں کی صنعت میں)

کچھ یہاں جل گیا کچھ وہاں جل گیا
ہر عیاں جل گیا، ہر نہاں جل گیا
سب کنارے جلے، درمیاں جل گیا
کیا قوی اور کیا ناتواں جل گیا
بچے بوڑھے جلے اور جواں جل گیا
سب مکیں جل گئے جب مکاں جل گیا
باغباں جل گیا، پاسباں جل گیا
تنکا تنکا جلا، آشیاں جل گیا
اپنی مِلّت کا جب کارواں جل گیا
ہر یقیں ہی نہیں ہر گماں جل گیا
آگ نفرت، تعصّب کی ایسی لگی
"خوں سے سینچا ہوا گلستاں جل گیا"

"خوں سے سینچا ہوا گلستاں جل گیا"

اِتنی آتش مِزاجی کے حامِل تھے وہ
ایک جا جَب ہوئے تو سَماں جَل گیا

جو تمنّا کے ساحل پہ لاتا ہمیں
اَپنی کشتی کا وہ بادباں جَل گیا

حادثے نے بِٹھایا اُنھیں اِس طرح
اُن کی پہچان کا ہَر نشاں جَل گیا

ظُلمتیں یاس کی سَب سِمٹنے لگیں
آس کا اِک دِیا بھی جہاں جل گیا

آتشِ بیکراں میں اُچھالا جِسے
وہ تو محفوظ تھا وہ کہاں جَل گیا

ایک طبقہ ہے اَیسا مرے شہر میں
سن کے عنبرؔ صَدائے اَذان جَل گیا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مدرسۂ حسینیہ مومن پورہ ناگپور کے سالانہ طرحی نعتیہ مشاعرے کے مصرعِ طرح
"یہ مجُرم دُور سے آیا ہے سُن کر نام رحمت کا" کی پابندی پر

تلمیحی نعتِ پاکِ مصطفےٰ ﷺ

(مسلسل مصرعوں کی صنعت میں)

سعادت ہے کہ جِس سے کر رہا ہوں ذِکر حضرتؐ کا
جنھیں بخشا خدا نے کام اِنساں کی ہدایت کا
ہمیشہ ذِکر جو کرتے رہے ہیں رَبّ کی وَحدَت کا
کہ جِن کا ہر نَفَس تمثیل تھا حَرفِ صداقت کا
ہے جِن کی ذات رَحمت کی ہے جِن کا نام بَرکت کا
خیال اُن کو رَہا ہَر وَقت ہی اُمّت کی حاجَت کا
ہے جِن کے شانوں پر ہی بوجھ اُمّت کی شِفاعَت کا
کِیا ہے زِندگی بھر کام دِینِ حَق کی نُصرت کا
تصور تو کریں ہم لوگ اُن کے دَورِ زَحمت کا
کہ جب ہوتا رہا تھا ظُلم اُن پر پوری شِدَّت کا
مگر آنے نہ پایا لَب پہ کوئی حَرف لَعنت کا
اُنھیں کے دَور کا ہے تذکرہ اِک ایسی حالت کا
کہ ساماں کر رہا تھا شخص کوئی قتل و غارت کا
جو مظہر بَن گیا اس دور میں ہے صِرف وَحشت کا
جہاں دیکھو وہاں پر تذکرہ ہے اس کی دَہشت کا

مشیّت کار فرما یا تقاضہ ہے یہ فطرت کا
کہ بدلا ذہن اُس کا یہ ہُوا سامان قدرت کا
گنہ گاری میں جب احساس جاگا ہے ندامت کا
ہُوا ہے ہر طرح اندازہ اُس کو اپنی غفلت کا
بچائیں گے اُسے آقا فسادِ زندگانی سے
"یہ مجرم دُور سے آیا ہے سُن کر نام رحمت کا"

یہ مُجرم دُور سے آیا ہے سُن کر نام رحمت کا

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

ہے خدائی معاملات کی رُوح
ذات اُن کی ہے کائنات کی رُوح

اے! جمال و کمالِ آقائی
تو ہی میرے تصوّرات کی رُوح

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انجمن اِصلاح الطلباء، تکیہ محبوب شاہ، مومن پورہ، کی جانب، سے ۲۵ر نومبر ۲۰۰۳ء کے منعقدہ طرحی مشاعرے کی طرح ''اُحباب کے ماتھے پہ شِکن دیکھ رہا ہوں'' کی پابندی پر مسلسل مصرعوں کے اسلوب میں طبع آزمائی۔

زَر دیکھ رہا ہوں نہ تو دُھن دیکھ رہا ہوں
نیتاؤں کی مکّاری کا فَن دیکھ رہا ہوں
دَھرموں کی بِگراوٹ میں لگن دیکھ رہا ہوں
اِنسان کی قدروں میں پتن دیکھ رہا ہوں
نفرت سے جو سُلگی وہ جَلن دیکھ رہا ہوں
کیا کرتا ہے دَہشت کا چَلن دیکھ رہا ہوں
طوفانِ الم لایا وہ سَن دیکھ رہا ہوں
ڈُوبا ہوا میں خوں میں وَطن دیکھ رہا ہوں
جلتا ہوا نفرت میں چمَن دیکھ رہا ہوں
لُٹتے ہوئے نسوانی بَدن دیکھ رہا ہوں
جُھلسے ہُوئے مظلوموں کے تن دیکھ رہا ہوں
ملّت میں بھرا رنج و محن دیکھ رہا ہوں

اندھیر ہے عنبرؔ کہ انھیں زخموں کو سہتے
''احباب کے ماتھے پہ شکن دیکھ رہا ہوں''

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کارخانوں اور ریل گاڑیوں میں روزانہ لاکھوں ٹن کوئلہ جلنے سے اور موٹر گاڑیوں میں روزانہ لاکھوں بیرل تیل جلنے سے جو دُھواں خارِج ہوتا ہے اِس سے فِضائی آلودگی میں بے پناہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ اور نباتیاتی زندگی پر بُرے اَثرات مُرتب ہو رہے ہیں۔ اِن اثرات کا سائنسی بُنیاد پر جائزہ لینے کے لئے ماہ نومبر ۱۹۹۸ء میں جاپان کے شہر ٹوکیو میں ماہرین کی ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے تحقیقی جائزے کی رپورٹ ترتیب دی گئی اسے ساری دنیا کے اخبارات نے شائع کیا۔ ایسی اہم ترین رپورٹ سے متاثر ہو کر غزل کے اسلوب میں درج ذیل نظم کہی گئی جس کا عنوان ہے۔

''دُھواں کرے دُھواں دُھواں''

جہاں کی سمت سمت میں ہے کتنا بیکراں دُھواں
ہے آشکارا ہر طرف کہیں نہیں نِہاں دُھواں

جو لکھ رہا ہے آدمی، تَرقیوں کے نام پر
تباہیٔ حیات کی ہے ایک داستاں دُھواں

سِتم دُھوئیں نے کیا کیا؟ کہ ذکر اس کا ہر طرف
جہانِ فِکر و خَوف میں ہر ایک کا بیاں دُھواں

زمیں کی تَہہ سے کِتنا کچھ نِکالا اور جَلا دِیا
مگر نہیں یہ سوچتے کہ جائے گا کہاں دھواں

یہ خوفناک انکشاف آرہا ہے سامنے
ہر ایک شئے جہان کی نہ ہو کہیں دھواں دھواں

غذائی مسئلہ الگ تو کیا دھوئیں سے واسطہ
مگر یہ انکشاف ہے کہ زہر ہے یہاں دھُواں

یہ آلہ جاتِ وقت ہی بتا چلے جہان کو
وہاں گزُر ہے موت کا، بہت رہے جہاں دھُواں

یہ سبزہ، جانور سبھی تو زد میں اِس کی آئیں گے
جہانِ رنگ و نورُ میں خطَر کا ہے نشاں دھُواں

جو کام روک تھام سے ابھی لیا نہ جائے گا
تو پھیلتا ہی جائے گا جہاں میں جاں بہ جاں دھُواں

ہے آگ، آگ ہی یہاں، یہ آگ کا جہان ہے
اُگل رہی ہے اس لئے یہاں ہر اِک زباں دھُواں

ہے فکرِ عنبرِ حزیں دھوئیں کے اِک غبار میں
خیال ہے دھُواں، دھُواں، زمیں دھُواں زماں دھُواں

شاعری کی تاریخ اور پوری تہذیب کا بے پناہ مطالعہ کرتے رہنے کی وجہ سے جناب عنبرؔ خلیقی میں حیرت انگیز زُود گوئی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ طبع زاد اور مُطرُوحہ سات سو سے زائد غزلیں کہہ چکے ہیں۔ جو انشاء اللہ ہم لوگ تین الگ الگ ''دیوانِ عنبرؔ'' کے نام سے تین الگ الگ کتابوں میں چھپوائیں گے اس لئے کہ ان تینوں ادیان میں تمام حُروفِ تہجی کی ردیفوں کی غزلیں موجود ہوں گی۔ شعبۂ ''اِرتقائے سخن'' کے پہلے حصّے میں صرف غیر معمولی طرزِ سخن کی صنعتی کاوشات شامل ہیں۔ اب اِس دوسرے حصّے میں یہ مُسلسل مطلعوں کی غزلیں بھی شامل کی جارہی ہیں۔

مولانا رحمت اللہ راشدؔ احمد آبادی

☆ ☆ ☆

مسلسل مطلعے

جس رہ گزر میں دین کے لعل و گہر نہیں
اس راہِ بے بساط سے اپنا گزر نہیں

جب اپنے ساتھ ساتھ غمِ معتبر نہیں
ایسے کسی سفر میں سوادِ سفر نہیں

ہے آگہی کا دور کوئی بے خبر نہیں
لیکن عجیب بات ہے خود کی خبر نہیں

یہ داستاں حیات کی تو مختصر نہیں
کس کام آسکے گی اگر با اثر نہیں

محور کو اپنے بھولتے ہم لمحہ بھر نہیں
اور زندگی کو کرتے اِدھر سے اُدھر نہیں

ہٹتا تو فکر سے کبھی مولیٰ کا ڈر نہیں
اس واسطے نظر میں کوئی سنگِ در نہیں

حبّر خدا کے شکر سے محروم گھر نہیں
دامانِ زندگی بھی تو اشکوں سے تر نہیں

مختصر بحر میں اہم ترین مضامین کے مسلسل مطلعے

اِک دِن وہ جائے گا اُتر
چڑھ کر عُروج و بام پر

دُنیا کے نقشے ہیں مگر
کچھ آخِرت کی فِکر کر

مَنصوبوں کا لَمبا سَفر
اور زِندگی ہے مُختصر

تھا نام جِن کا بام پر
کیوں ہو رہے ہیں دَر بُدر

سوچیں تو یکجا بیٹھ کر
ہم کیوں نہیں ہیں معتبر

ہمدم کبھی زیر و زَبر
آتے رہے زیرِ نظر

جس میں نہ ہو سچ کا ہُنر
وہ بات ہوگی بے اَثر

یہ تو نہیں زادِ سَفر
نظروں میں کیوں لعل و گہر

جب تُل گیا وہ ظُلم پَر
چھوڑی نہیں کوئی کَسر

مارا نہ جائے بے خبر
رہنا ہے تجھ کو باخبر

کشتیٔ ہستی کا سَفر
اور سامنے کِتنے بھَنور

کر دینداری سے گزُر
اونچا رہے گا تیرا سر

رونے کا کیوں برتے ہُنر
جب وقت آئے صبر کر

عنبرؔ نہ تو ایسے بِکھر
آدھا اِدھر آدھا اُدھر

اہم مضامین کے مسلسل مطلعے

دُنیا و دِیں کی نعمتیں کیا کیا نہ پائیں گے
راہِ ثبات میں جو قدم کو بڑھائیں گے

اُٹھے، تو جُوئے شِیر بھی ہم لے ہی آئیں گے
بیٹھے رُہے خیال میں کچھ کر نہ پائیں گے

دنیا میں جتنے تیرے قدم ڈگمگائیں گے
اُتنا ہی حشر میں تجھے پَل پل رُلائیں گے

روٹھے ہوئے جو لوگ ہیں ان کو منائیں گے
اس طرح سے دِلوں کا سمندر بنائیں گے

باطل کے فتنے یوں تو ہے ممکن دبائیں گے
تھوڑا ابھر گئے تو زمانے پہ چھائیں گے

قرآن کی صداؤں کو کیسے سنائیں گے
خود سیکھتے نہیں تو کسے ہم سکھائیں گے

عنبرؔ قدم بڑھا ہے نہ پیچھے ہٹائیں گے
اپنی صلاحیت کو بڑھاتے ہی جائیں گے

مسلسل مطلعے

رضائے حق پہ شہادت کا نیک کار بھی ہے
مقامِ سجدہ بھی، میدان کارزار بھی ہے

خدا کو چھوڑ کے بیگانوں پر نثار بھی ہے
کسی کا سجدہ یہاں پر پئے مزار بھی ہے

کسی کی جیت اگر ہے، کسی کی ہار بھی ہے
کوئی شگفتہ اگر ہے تو کوئی زار بھی ہے

جو ساتھ ساتھ یہاں ذِکرِ نورؔ و نار بھی ہے
تو خیرؔ و شرؔ کے عوامل پہ اختیار بھی ہے

کوئی یہاں پہ غلط فہمی کا شکار بھی ہے
کسی پہ بھوت، خودآرائی کا سوار بھی ہے

کہیں چڑھاوٗ جہاں میں کہیں اُتار بھی ہے
کہیں خزاں کا ہے موسم کہیں بہار بھی ہے

کوئی جو اپنی روایت کا پاسدار بھی ہے
کوئی سخن میں یہاں شترؔ بے مہار بھی ہے

اُدائے نقد کہیں ہے کہیں اُدھار بھی ہے
اسی طرح سے رَوانیٔ کاروبار بھی ہے

ہدایتوں پہ عمل، نیکی کا شمار بھی ہے
حیات میں ہے خوشی، روح میں نکھار بھی ہے

صداقتوں کے بیاں سے ستم کی مار بھی ہے
اس امتحاں میں ہمارے لئے قرار بھی ہے

عبادتیں ہیں تو تبلیغ کی پکار بھی ہے
ہمارے سامنے یہ ہی عظیم کار بھی ہے

بگاڑ دیکھ من عنبؔر کا سوگوار بھی ہے
نوائے حق کے اُبھرنے کا انتظار بھی ہے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مسلسل مطلعے

زِندگی اَیسے کِسی موڑ پہ لے آئی ہے
اَب کوئی گیت ہے، نغمہ ہے نہ شہنائی ہے

رنج و آلام کی ہر سمت فضا چھائی ہے
وہ ڈگر ہے جہاں ہر گام پہ رسوائی ہے

بخت نے صورتِ حالات وہ دکھلائی ہے
جس کو دیکھا ہے تو حسرت ہے، شکیبائی ہے

رُت فسادات کی دہشت نے جو پھیلائی ہے
زندگی دیکھ کے ماحول یہ بَولائی ہے

آگ اور خوُں کی فضا چاروں طرف چھائی ہے
یہ گھڑی بھائی کِسے، راس کِسے آئی ہے

سارے کنبے کو جو اک ساتھ ہی موت آئی ہے
میں اکیلا ہُوا، اور ساتھ یہ تنہائی ہے

ظلم و دَہشت سے طبیعت ہے کہ گھبرائی ہے
وقت خنجر یہ لگے ایسا کہ ہرجائی ہے

مسلسل مطلع

پھر تیرے لئے بڑھ کے دعاء کون کرے گا
جب ہم ہی نہ ہوں گے تو وفا کون کرے گا

اللہ کے سِوا خیر عطا کون کرے گا
اور رزق عطا اُس کے سِوا کون کرے گا

بندے کے سِوا حمد و ثنا کون کرے گا
مومن کے سِوا سجدے ادا کون کرے گا

اعلان زمانے میں بجا کون کرے گا
اور اونچی صداقت کی صدا کون کرے گا

اس عیش کی دنیا میں مزہ کون کرے گا
پھر عقبیٰ میں محصول سزا کون کرے گا

انسانوں کو غفلت سے رہا کون کرے گا
نبیوں کے سوا سب کا بھلا کون کرے گا

پروانوں کی صورت یہ عطا کون کرے گا
جاں مال کو ایماں پہ فدا کون کرے گا

عنبرؔ سدا حق بات کہا کون کرے گا
اور حق کو ہی شعروں میں لکھا کون کرے گا

مسلسل مطلعے

حاجت روا اللہ ہے اُس سے ہی سدا مانگ
اس پر ہی بھروسہ کئے دل سے تو دعاء مانگ

خواہش کا تو چکر یہی ، کیا چھوڑ دے ، کیا مانگ
جب مانگنا لازم ہے تو عزّت کی عطا مانگ

سورج کی کِرن مانگ نہ تاروں کی ضیاء مانگ
ہر حال میں رحمت بھری مولیٰ کی رضا مانگ

نیکی تو فقط نیکی ہے مت اُس کا صِلہ مانگ
اللہ مُحاسِب ہے تو اُس سے ہی جزاء مانگ

اَوروں کی تباہی کی نہ ہرگز تو دعاء مانگ
خُود کے لئے اِس طور سے مَت کوئی سزا مانگ

تقریر میں تحریر میں تو حُرف بجا مانگ
ہر وقت صداقت بھری دنیا میں صدا مانگ

شعروں پہ نہ تو داد و ستائش کی صدا مانگ
احساس میں عَنبر تو بھلائی کی جلا مانگ

مسلسل مطلعے (غیر مردّف)

نفرت کے شعلوں میں کتنے جسم ہُوئے بے جان
اور محافظ کے پہرے میں لٹتی رہی دوکان

کیسے بھیڑ میں خود کو ڈھونڈیں کیسے پائیں نشان
جب اپنے چہرے کی نہیں ہے کوئی ہمیں پہچان

بوجھ بڑھا کر کشتی کا لالچ والا انسان
غرقِ دریا ہونے کا خودُ اُس نے کِیا سامان

جب بھی تقاضہ ہم سے کرے گا اپنا دین، ایمان
اپنا سب کچھ کر ڈالیں گے اس پر ہم قربان

بغض و حسد کے شعلے جب بھڑکاتا ہے شیطان
لکڑی سے جلتا ہے زیادہ مٹّی کا اِنسان

سورج کی کرنیں اور شبنم جب دیتے ہیں دان
تب ہی گُل کے چہرے پر آجاتی ہے مُسکان

مشکل تر حالات اگر ہوں ان میں کیوں حیران
ہم نے کب چاہا ہے عنؔبر جینا ہو آسان

مسلسل مطلعے

کام آئے گی زمانے میں یہ گفتار نہیں
بات بنتی ہی نہیں ساتھ جو کردار نہیں

پھول ہی پھول اگر راہ میں ہوں خار نہیں
کیا مزہ رہ میں اگر منزلِ دشوار نہیں

مجھ کو ہر خلقِ خدائی سے کچھ اِنکار نہیں
جو بھی شے ربّ نے بنائی ہے وہ بیکار نہیں

جیتنا جس کا مقدر تھا کبھی ہار نہیں
اب اسی قوم کے بچ پانے کے آثار نہیں

وہ تو حق والا ہے، صدّیق ہے مکار نہیں
سر جھکاتا ہے صداقت پہ سرِ دار نہیں

آگہی فکر کی اِحساس کی تکرار نہیں
تیرے انداز میں سب کچھ تو ہے معیار نہیں

فائدہ مند جہاں کو اگر افکار نہیں
پھر جہاں والوں پہ عنبر تو کہیں بار نہیں

مسلسل مطلعے

(غزل کے اسلوب میں، نظم کی صورت میں)

جگر میں تاب کہاں اب کسی بیاں کے لئے
کہاں سے لاؤں میں الفاظ داستاں کے لئے

خوشی کا موقعہ ہے بے مہریٔ زماں کے لئے
ہے اضطراب کا عالم مرے جہاں کے لئے

کہیں ہے موقعۂ تخریب باغباں کے لئے
تلی ہوئی ہے کہیں برق آشیاں کے لئے

کہیں ہیں جھگڑے دھرم کے، کہیں زباں کے لئے
کہیں ہیں سازشیں پابندیٔ اذاں کے لئے

ستم گری کہیں تیار حرزِ جاں کے لئے
کہیں ہے آگ مقدر ہر اِک مکاں کے لئے

بگڑتا وقت کہیں خورد کے کلاں کے لئے
ہے انتظار کہیں وقتِ مہرباں کے لئے

جو قوم رکھتی تھی قیمت کبھی جہاں کے لئے
وہی چنی گئی اب صدمۂ گراں کے لئے

مچلتے ہونٹ کہیں آہِ بیکراں کے لئے
کہیں پُکارے ہے مظلومیت اماں کے لئے

یہ سب ہمارے عمل کا قصور ہے عنبر
وَہیں نہ پہونچ کہا دِین نے جَہاں کے لئے

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

کِتنے حالاتِ دِگر گوں میں ہیں اَہلِ مِلّت
حالتِ صاحبِ اِیماں کبھی اَیسی تو نہ تھی

کِتنے سَر کیسے مقامات پہ جُھک جاتے ہیں
دین میں رَسمِ غُلاماں کبھی ایسی تو نہ تھی

مسلسل مطلعے

دَرد مانگا ہے نہ دَرماں نہ دواء مانگی ہے
صِرف آسُودہ تبسّم کی عطا مانگی ہے

اب دعاء سارے زمانے سے جُدا مانگی ہے
سانس لے لینے کی فرصت ہی ذرا مانگی ہے

جِس نے اِحساس کی شِدّت میں بقا مانگی ہے
اُس نے آسودگیٔ قلب سَدا مانگی ہے

مَنزلِ عِشق میں بِسمل کی ادا مانگی ہے
اپنے ہی واسطے کیوں تم نے قضا مانگی ہے

جُرم سے فیض، گُناہوں سے وفا مانگی ہے
اِس طرح دِین و دُنیا کی سَزا مانگی ہے

بَس یہی ایک دعاء ہم نے بجا مانگی ہے
گرم حالات میں رَحمت کی صَبا مانگی ہے

جَب کبھی عنبرِ خستہ نے دعاء مانگی ہے
اَپنے اَشعار میں مَقصد کی جِلا مانگی ہے

غیر معمولی فکری، ہُنرمندانہ اور فنکارانہ کاوشات کے یہ دو
نمونے ''موشح نما غزل'' اور ''لفظ، لفظ، لفظ، لفظ'' کے عنوان کی غزل کے
اسلوب میں نظم دیدہ ریزی، جاں فشانی اور عرق ریزی کی تمثیل ہیں۔ ''موشح
نما غزل'' عربی صنفِ سخن سے تعلق رکھتی ہے اور صرف بدایوں کے حنیفؔ
صاحب اور پونہ کے امین حزیںؔ صاحب کے یہاں اس صنف کی تمثیل ملتی ہے۔
تیسرے عنبرؔ خلیقی صاحب نے اس پر طبع آزمائی کی ہے۔

''لفظ، لفظ، لفظ'' کے عنوان کی نظم عنبرؔ خلیقی صاحب کی
کاوش کا طبع زاد اور بے مثال کارنامہ ہے۔

مولانا رحمت اللہ راشدؔ احمد آبادی

☆ ☆ ☆

لفظ، لفظ، لفظ، لفظ

لفظ

لفظ کب بے زبان ہوتے ہیں
لفظ سے ہی بیان ہوتے ہیں
لفظ جب درمیان ہوتے ہیں
لفظ جانِ جہان ہوتے ہیں
لفظ سے جب اُٹھان ہوتے ہیں
لفظ عظمت نشان ہوتے ہیں
لفظ جب مہربان ہوتے ہیں
لفظ امن و امان ہوتے ہیں
لفظ جب بے ایمان ہوتے ہیں
لفظ نفرت کی کان ہوتے ہیں
لفظ یوں عالی شان ہوتے ہیں
لفظ حرفِ اذان ہوتے ہیں

لفظ

لفظ بے روپ لفظ شوکت بھی
لفظ گمنام لفظ شہرت بھی
لفظ رُسوائی لفظ حُرمت بھی
لفظ اُلجھن بھی لفظ حِکمت بھی
لفظ تدبیر لفظ قِسمت بھی
لفظ غرُبت بھی لفظ دولت بھی
لفظ کمزور لفظ طاقت بھی
لفظ باغی بھی لفظ طاعت بھی
لفظ پستی بھی لفظ رفعت بھی
لفظ دُکھ درد لفظ راحت بھی
لفظ صِنعت بھی لفظ حرفت بھی
لفظ محرومی لفظ برکت بھی

لفظوں لفظوں میں کیا نہیں ہوتا ؟

لفظ، لفظ، لفظ، لفظ

لفظ

لفظ اِنجیل لفظ قُرآں بھی
لفظ عرفان لفظ بُرہاں بھی
لفظ ہیں کُفر لفظ ایماں بھی
لفظ اِنکار لفظ ہیں ہاں بھی
لفظ پیکار لفظ پیماں بھی
لفظ دُشوار لفظ آساں بھی
لفظ گفتار لفظ فرماں بھی
لفظ پردہ بھی لفظ عُریاں بھی
لفظ سے ہے ستم کا ساماں بھی
لفظ سے ہے کرم کی باراں بھی
لفظ سے اُٹھتا دکھ کا طوفاں بھی
لفظ سے ہوتا، غم کا درماں بھی

لفظ

لفظ نیچے بھی لفظ اوپر بھی
لفظ کمتر بھی لفظ برتر بھی
لفظ آسودہ لفظ مُضطر بھی
لفظ مغلوب لفظ یاور بھی
لفظ یاقوت لفظ کنکر بھی
لفظ پردہ بھی لفظ منظر بھی
لفظ پردار، لفظ بے پر بھی
لفظ شمشیر، لفظ خنجر بھی
لفظ در والے، لفظ بے در بھی
لفظ مرجان لفظ مرمر بھی
لفظ سردار لفظ بے سر بھی
لفظ خوشبو بھی لفظ عنبر بھی

لفظوں لفظوں میں کیا نہیں ہوتا ؟

مُوشّح نُما غزل

(عربی اسلوب میں)

مجھے خبر نہ رہی، میں لمحے عیش و طرب سے گزارنے میں رہا، تمیزِ دین نہ تھی
محاسبے کی کبھی، میں زندگی کے دریچے سنوارنے میں رہا، نہ فکرِ موت رہی

بلادِ ذہنِ رسا، عجیب طرز کے منصوبوں میں مگن رہ کر، شک میں مبتلا ہو کر
شکارِ کم فہمی، یقین و ایماں کے جذبوں کو ہارنے میں رہا، یہ بھول مار گئی

غرور خود پہ رہا، محاسبے میں نہ تھی اپنی بھول اور خامی، نہ آئینہ دیکھا
بگھار کر شیخی، میں دوسروں کی ہی عزت اتارنے میں رہا، یہی تھی ناسمجھی

ملا نہیں عرفاں، خدا کے فضل و کرم پہ مجھے یقین نہ تھا، نہ دیکھا جب قرآں
رہی جو خود فہمی، میں غیرِ حق کو ہی ہر دم پکارنے میں رہا، تو آخرت بھی گئی

یقین جب ڈوبا، یہ دہشتوں کے نظارے یہ وحشتوں کے سماں، یہاں وہاں دیکھے
زوالِ اخلاقی، جو صرف اب بھلے انساں کو مارنے میں رہا، بڑی یہ بیماری

پکڑ کے ایماں کو، خلوص و صدق کی راہوں میں جب چلا عنبر، سکونِ دل پایا
جو موت یاد آئی، عبادتوں سے ہی ہستی سنوارنے میں رہا، تو روشنی پائی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

غزل کے اسلوب میں

ایک جذباتی، مشاہداتی، تجرباتی نظم

یہ ایک لمحہ ابھی پاس سے جو گزُرا ہے
نہ جانے کتنے فسانوں کو لے کے گزرے گا

کہیں خوشی کے ترانے کہیں اَلم دے گا
کہیں یہ حِفظ و اَماں اور کہیں سِتم دے گا
بکھیرنے کو وفاؤں کے رَنگ محلوں کو
کہیں پہ بُغض و کینہ عَناد پھیلے گا
تماشہ کرنے کو اخلاق کے تقاضوں کو
معاشرے میں گراوٹ کا روُپ اُبھرے گا
سُکون و اَمن کے سینے میں گھاؤ کرنے کو
کہیں پہ دَہشت و وَحشت، فَساد پھیلے گا
یہ مکر اور سیاست کا خونچکاں پنجہ
نہ جانے کتنے ٹھکانوں پہ خوںَ چھاپے گا
یہ آگ و خون کے منظر اگر اُبھر آئے
وقارِ عظمتِ انسانیت کا بکھرے گا

یہ ایک لمحہ ابھی پاس سے جو گزُرا ہے
نہ جانے کتنے فسانوں کو لے کے گزُرے گا

یہ ایک لمحہ ابھی پاس سے جو گزُرا ہے
نہ جانے کتنے فسانوں کو لے کے گزُرے گا

ہُنر کو علم کو اِنساں کی ذات جب لے گی
عرُوج اور ترُقیّ کے ساتھ کھیلے گی

جب اتفاق و محبت ہو بھائی چارہ ہو
تمام آفت و مشکل کو قوم جھیلے گی

نکل کے حرص و لالچ کے خارزاروں سے
وقار و عظمتِ انسانیت کو پالے گی

نہیں ہو پاسِ ادب اور وفا شناسی تو
وہ ذہن و قلب کو بربادی میں دھکیلے گی

گراوٹوں کی ڈگر پر جو پاؤں پڑ جائیں
یہ لڑکھڑاتی ہوئی قوم کیسے سنبھلے گی

لپٹ جو جائیں گی رسوائیاں ہی دامن سے
یہ کیسے ہوگا کہ اس کا وقار نکھرے گا

یہ ایک لمحہ ابھی پاس سے جو گزُرا ہے
نہ جانے کتنے فسانوں کو لے کے گزُرے گا

۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو "بابری مسجد" شہید کی گئی تو سارے ہندوستان میں بے مثال احتجاج کے دوران تقریباً چالیس ہزار مُسلم نوجوانوں کو شہید کر دیا گیا۔ ناگپور میں ۷ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو جو بارہ نوجوان شہید ہوئے ان میں میرا چھوٹا بھائی اور نواسہ بھی شامل تھے۔ ۷ر دسمبر کو رات بھر ٹی وی اور بی بی سی لندن کی خبروں نے پورے ہندوستان میں لگی آگ کا اعلان کیا اور پے در پے شہادتوں کی خبریں دیں۔ ۸ر دسمبر کو صبح ۹ر بجے قلم اٹھا اور ۹ر بج کر ۲۰ر منٹ تک درج ذیل نظم کہنے میں آئی جو کم سے کم الفاظ میں ایک عظیم ترین سانحے کی ترجمان بن گئی۔ نظم کا عنوان ہے۔

منفی عمل

وقت کچھ آج مہربان ہے حیوانوں پر
برق گِر ہی گئی بھارت کے مسلمانوں پر

ایسی مکّاری دغا بازی کہاں پُر دیکھی
پٹّی وعدوں کی تھی ہر ایک نظر بند ہوئی
توڑ کر ایک تقدّس کو ہوئے خوش وحشی

اور مظلوم ہی لوٹا کئے انگاروں پر
برق گر ہی گئی بھارت کے مسلمانوں پر

ایک گولی بھی ایودھیا میں نہ ایسی پائی
سارے بھارت میں چلانے کو کہاں سے آئی
تھی وہاں شانتی تخریب گروں پر چھائی
احتجاج، اِس پہ کِیا بدلے میں گولی کھائی

ہے جُنوں طاری ہماری طرح نادانوں پر
برق گر ہی گئی بھارت کے مسلمانوں پر

آج کے دور میں ہیں چین بھی جاپان بھی ایک
آج نصرانی یہودی کا ہے طوفان بھی ایک
آج ہندو ہیں جمع مان کے بھگوان بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

برق پھر گرتی صَنم اور صَنم خانوں پر
برق گر ہی گئی بھارت کے مسلمانوں پر

ہر عمل کا ایک ردِ عمل ہوتا ہے۔ ''بابری مسجد'' کی شہادت کے منفی عمل کے بعد قدرتی طور پر آسمانی قہر کا انتقامی ردِ عمل فوراً ۱۹۹۳ء میں پیش آیا۔ ان سانحات کا تاریخی مشاہدہ کر کے اگلی نظم ۵ دسمبر ۱۹۹۳ء میں کہنے میں آئی۔ جس کا عنوان ہے۔

عمل اور ردِ عمل

(صدائے وقت)

کسی نے مکر و ریا جھوٹ کے سہارے سے
دھرم کے نام حکومت کے بھی اشارے سے
بھگت جمع کئے لاکھوں ہی اِک بہانے سے
کہ کیرتن، یہاں پوجا یہاں بھجن ہوگا
نہ کیرتن، وہاں پوجا نہ تو بھجن ہی ہوا

وہاں تو گھیر کے مسجد شہید کر ڈالی
وہاں بسے ہوئے مظلوموں کو مِٹا ڈالا
عنانِ وقت کو ہاتھوں میں لے کے ظلم کیے

یہ زلزلے کہیں اُس جرم کی سزا تو نہیں؟
(مارچ ۱۹۹۳ء کلاڑی، اُمرگا، عثمان آباد، ضلع لاتور)
بہے ہیں رنج سے لاکھوں کی آنکھ سے آنسو
یہ بارشوں سے تباہی یہ بے رُکے سیلاب

اُنھیں بہے ہوئے اشکوں کا سِلسِلہ تو نہیں؟

(آندھرا، راجستھان، بہار جولائی اگست ۱۹۹۳ء)

جہاں پہ حُرمتِ نِسواں لُٹی وہی "سُورت"

جو ایک شہرِ جگر کے نام سے چمکا

وہاں پلیگ کی کیسی بُری وَبا پھیلی

یہ آسمان سے اُتری ہوئی بَلا تو نہیں؟

(سورت (گجرات) اکتوبر، نومبر ۱۹۹۳ء)

زباں تو چُپ ہی رَہے گی سِتم رَسیدوں کی

مگر لہو تو پُکارے گا آستیوں کا

مگر لہو تو پکارے گا آستیوں کا

(بابری) مسجد کے فیصلے کا تو قدرت نے انحصار

بُوجھی نہ جائے ایسی پہیلی پہ رکھ دیا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اردو شاعری کی تاریخ اور تہذیب میں اِضافہ اور تُرویج کی صُورت حاجی عنبرؔ خلیقی صاحب نے یوُں بھی نِکالی ہے کہ ایک طے شُدہ بحر اور قافیہ ردیف کی شعری زمین میں غزل کہہ کے اگلی غزل کا قافیہ تبدیل کیا ہے اس طرح قافیہ تبدیل کرتے ہوئے دوسری تیسری ہی نہیں دسویں غزل بھی کہہ لی ان غزلوں کا نیا شعری ادبی نام عنبرؔ صاحب چار منزلہ، چھ منزلہ اور دس منزلہ غزل تجویز کرتے ہیں۔

ایک ماہر تعمیرات انجینئر کی کہی گئی منزلہ وار ان ہی غزلوں کو پیش کیا جارہا ہے جو چار منزلہ چھ منزلہ اور دس منزلہ ہیں۔یقیناً یہ دنیائے شعر وسخن میں ایک منفرد ندرت کی حامل قرار دی جاسکتی ہیں۔

مولانا رحمت اللہ راشدؔ احمد آبادی

☆☆☆

اظہارِ حقیقت

(چار منزلہ غزل کی صورت میں)

پہلی منزل

بُرا انجام ہوتی جا رہی ہے
وہ نذرِ جام ہوتی جا رہی ہے

بڑھی تہذیبِ نَو کی اِتنی قیمت
حَیا بے دام ہوتی جا رہی ہے

اے مکّاری، سیاست تیرے صدقے
خِرد بدنام ہوتی جا رہی ہے

رُخِ تعمیر کو حد سے بڑھائیں
تباہی عام ہوتی جا رہی ہے

سِتم اور دَہشت و وَحشت کے آگے
وفا ناکام ہوتی جا رہی ہے

ہدایت کا صحیفہ پاس ہوتے
خطا ہر گام ہوتی جا رہی ہے

عُروجِ آدمی کی بات عنبرؔ
خیالِ خام ہوتی جا رہی ہے

دوسری منزل

تمنا بار ہوتی جا رہی ہے
گلے کا ہار ہوتی جا رہی ہے

پۓ مُسلِم نِگاہِ "بُش" یقیناً
کھٹکتا خار ہوتی جا رہی ہے

ہوئی بے باک جب سے بے حیائی
حَیا دشوار ہوتی جا رہی ہے

سیاست اور گمراہی کی دنیا
بہت مکاّر ہوتی جا رہی ہے

نہیں صبر و توکّل اس لئے کہ
طلب مختار ہوتی جا رہی ہے

حقیقت اور صداقت کی ڈگر تو
بڑی پُر خار ہوتی جا رہی ہے

نہ جانے دینداری کیسے عنبرؔ
پسِ دیوار ہوتی جا رہی ہے

تیسری منزل

خطا ہر آن ہوتی جا رہی ہے
عذابِ جان ہوتی جا رہی ہے

جو راہِ حق پہ لگتی زندگانی
وہی ذیشان ہوتی جا رہی ہے

بنی پہچان جب سے بے وفائی
وفا انجان ہوتی جا رہی ہے

جو دعوت آگئی ہے شاعری میں
وہ اَب اِعلان ہوتی جا رہی ہے

یہ مسندِ مولوی صاحب کی لوگو !
کوئی دوکان ہوتی جا رہی ہے

جو مِلّت فہم کا رکھتی تھی دعویٰ
وہ کیوں نادان ہوتی جا رہی ہے

یہی حق گوئی عنبرؔ حق شناسی
مری پہچان ہوتی جا رہی ہے

چوتھی منزل

وفا ہابیل (مقتول) ہوتی جا رہی ہے
خطا قابیل (قاتل) ہوتی جا رہی ہے

غلط کاری پہ پردہ ڈالنے کو
غلط تاویل ہوتی جا رہی ہے

جہاں عزت کے نقشوں کو تھا بننا
وہاں تذلیل ہوتی جا رہی ہے

مزیّن فکر و فن سے شاعری جو
وہ اب تمثیل ہوتی جا رہی ہے

جہاں ایماں، یقیں کی بات روشن
وہاں تعمیل ہوتی جا رہی ہے

ضروری ہوگئی گفتار جب سے
عمل میں ڈھیل ہوتی جا رہی ہے

بھلی حُسنِ عمل کی بات عنبرؔ
مِری تحویل ہوتی جا رہی ہے

زندگی

(چار منزلہ غزل کے اہتمام میں)

پہلی منزل

ہے کسی کی گُل و نسترن زندگی
اور کسی کی ہے کانٹوں کا بَن زندگی

وقت ایسے بھی حالات لاتا رہا
جب نہ تن زندگی اور نہ مَن زندگی

موت کی آرزو، موت کی جستجو
بنتے بنتے بنی جب چبھن زندگی

لاش گور و کفن کو ترستی رہی
جب بنی نفرتوں کی اگن زندگی

صرف خدمت سے پُر زندگانی کوئی
اور کسی کے لئے صرف دھن زندگی

زندگانی مری روح کا ارتقاء
اور تیرے لئے جان و تن زندگی

ایسے جینے سے عنبر ہے کیا فائدہ
سر بسر جب رہے اک گھٹن زندگی

دوسری منزل

تا اَلم زندگی تا ستم زندگی
ہوتی ہے بس خدا کا کرم زندگی

جب سموتی ہے اوروں کا غم زندگی
ہوتی ہے کس قدر محترم زندگی

نفرتوں کے عذابوں سے بچ جائے تو
دو بدو زندگی دم بہ دم زندگی

جتنی گنتی کی سانسیں ہیں بس اس قدر
ہوتی بالکل نہیں بیش و کم زندگی

آئیں گے سامنے نت نئے مسئلے
جب بڑھائے گی ہمدم قدم زندگی

موسموں کی شکایت نہ ہم سے کرو
ہم نے دیکھی تو ہے خشک و نم زندگی

صرف تنہا نہ عنبر گزارو اسے
جب بھی گزرے تو گزرے بہم زندگی

تیسری منزل

ڈھونڈھنے جائیں بولو کِدھر زِندگی
نا اِدھر زندگی نا اُدھر زِندگی

خاک بن کر بکھرنا ہے اِک دن اسے
ہے جو تیری یہ لعل و گہر زِندگی

حوصلوں کو جِلا اُتنی مِلتی رہے
جتنی اپنی رَہے پُر خطر زِندگی

اس کی عظمت فشاں موت بھی جاوداں
جس کی اللہ پر منحصر زِندگی

جب شعور و عمل کو قضا آئے گی
ساتھ لے جائیں گے باندھ کر زِندگی

ایک در پر کھڑی ہو دعاء کے لئے
کیوں بھٹکتی پھرے دَر بَدر زِندگی

کاش ہر زاویے سے ہو عنبرؔ تری
صاف افکار کی معتبر زندگی

چوتھی منزل

ہم گزُاریں گے جِتنی کڑی زِندگی
بنتی جائے گی اُتنی بھلی زِندگی

سَر بہ سَجدہ سَدا ہم یقیناً رہیں
شکرِ ربّ میں کہ جس سے مِلی زِندگی

جب نہ مقصد تو ہے فیض بے فائدہ
ہو جو مقصد تو ہے کام کی زندگی

راہِ انصاف سے ہے گزُرنا اسے
ہو بھلی زِندگی یا بُری زِندگی

کیوں نہ باہم یہ چاہیں کہ ہو محترم
آپ کی زِندگی یا مِری زندگی

غیرتوں کے اُفق اور حَیا کے شفق
رنگ اَیسے کئی دے گئی زندگی

کامیابی کا عنبرؔ صلہ مل گیا
راہِ حق نے اگر لوٹ لی زِندگی

اظہارِ حقیقت

(چھ منزلہ غزل کی صورت میں)

پہلی منزل

نہیں پیدا ہوتا ہے ڈر اتفاقاً
نہ ہوتا ہے زیر و زبر اتفاقاً

سمندر کھنگالیں گے تب ہی ملیں گے
نہیں ملتے لعل و گہر اتفاقاً

ضرورت کے اسباب کرتے ہیں مائل
نہیں کرتا کوئی سفر اتفاقاً

کوئی غیر محرم ہو فوراً جھکالیں
اگر پڑ ہی جائے نظر اتفاقاً

ملی دین کی راہ خیرِ عمل سے
نہ پائی ہے یہ رہ گزر اتفاقاً

تھی تحصیلِ علمی تو کسبِ ہنر بھی
کہاں ہم ہوئے معتبر اتفاقاً

نگاہوں نے اونچا اٹھایا ہے عنبرؔ
چڑھے ہم کہاں بام پر اتفاقاً

دوسری منزل

نہیں آتے پیڑوں پہ پھل اتفاقاً
نہیں یہ برستا ہے جل اتفاقاً

ارادے کا اس میں دخل ہے ضروری
نہیں ہوتا کوئی عمل اتفاقاً

ہوا وقت پورا تو آتا ہے اس کو
نہیں آتی ہم پر اجل اتفاقاً

برے فعل چھوڑے ہیں علم و یقیں سے
نہیں کر دیا بے دخل اتفاقاً

بہت سوچی سمجھی یہ سازش ہے یارو
نہیں کر رہے ہیں وہ چھل اتفاقاً

بہت جستجو اور تدبیر کیجیے
مسائل نہیں ہوتے حل اتفاقاً

توجہ سے عنبرؔ ہدایت ملی ہے
نہیں ہم گئے ہیں سنبھل اتفاقاً

تیسری منزل

نہیں وہ ہوا مضطرب اتفاقاً
نہیں آیا اس پر غضب اتفاقاً

لگاتار عیش و طرب میں تھے کھوئے
نہیں ہے خطا کا سبب اتفاقاً

ضرورت کی شدّت کی مجبوریاں ہیں
نہیں ہوتی پیدا طلب اتفاقاً

ہے صدیوں کی محنت بزرگوں کی اپنے
اُگا یہ نہیں ہے ادب اتفاقاً

اٹھاؤ اسے اور گلے سے لگاؤ
نظر آئے مجبور جب اتفاقاً

شہادت میں مسجد کی منصوبہ بندی
لگی یہ نہیں ہے نقب اتفاقاً

کرم ہم پہ حیدر لگاتار جاری
نہ تب اتفاقاً نہ اب اتفاقاً

چوتھی منزل

بُرائی نہیں کرتی مَس اِتفاقاً
نہیں چھاتی مَن میں ہَوس اتفاقاً

ہے قرنوں کی ترتیب یہ کائناتی
یہ آتے نہیں ہیں بَرس اتفاقاً

بُرائی کے پہلو بہ پہلو بنی ہے
نہیں کوئی شے ہے نجس اتفاقاً

اگر حال دیگر نظر میں نہ آئے
نہیں کھاتا کوئی ترس اتفاقاً

خدا کے کرم سے بچایا تھا حملہ
مرے سامنے آئے دس[۲] اتفاقاً

چلاتا ہے محنت، شفقت سے اس کو
نہیں چلتا ہستی پہ بس اتفاقاً

عمل، سوچ، فکر و تدبر ہو حیدر
نکلتا نہیں مَن کا جَس اتفاقاً

پانچویں منزل

نہیں ، زندگی کا کرم اتفاقاً
نہ ہوتا ہے کوئی ستم اتفاقاً

یہ وابستگی تو مقدّر ہے اِس سے
رہِ عشق میں کب ہے غم اتفاقاً

مشیّت کے سارے تقاضوں سے نکلے
نکلتا نہیں ہے یہ دَم اِتفاقاً

کریں پہلے اسباب مل بیٹھنے کے
ملیں کیوں جہاں میں بہم اتفاقاً

گماں دَر گماں سے جو گزرے تو یہ ہو
نہیں پالتا وہ بھرم اتفاقاً

تسلسل سے صدمات کا یہ اثر ہے
نہیں آنکھ ہوتی ہے نم اتفاقاً

عمل کا نتیجہ یہ حؔبر رہا ہے
نہیں زیست میں بیش و کم اتفاقاً

چھٹی منزل

نہیں کھلتا کوئی چمن اتفاقاً
چمن میں نہیں بانکپن اتفاقاً

تفکر کے ہی ساتھ تحصیلِ علمی
نہیں آیا طرزِ سخن اتفاقاً

تھے حالات مخدوش اور جاں کے لالے
نہیں چھوڑا ہم نے وطن اتفاقاً

قضا ہے مشیّت بندھی وقت سے ہے
نہ اوڑھا کسی نے کفن اتفاقاً

ہوں پہلے سے تیاریاں مرحلوں کی
نہیں کرتا کوئی جتن اتفاقاً

مقدر سے ملتے ہیں آسودگی سے
نہ تن اتفاقاً نہ من اتفاقاً

ستایا ہے حؔبر کسی نے تو ہم کو
نہیں ہے یہ دل میں چبھن اتفاقاً

تلقینِ مسلسل

(دس منزلہ غزل کی صورت میں)

پہلی منزل

پہلے ادا نماز کر
پھر دست کو دراز کر

اُس کو تو موت آئے گی
مت زِندگی پہ ناز کر

محمودِ وقت کے لئے
خودُ کو کوئی اَیاز کر

جو لَے خُوشی کی دے سکے
تو خودُ کو ایسا ساز کر

مُخبر زمانہ ہے بہت
افشاء نہ اپنے راز کر

بکواس پر نہ دھیان دے
کارِ عمل دراز کر

عنبرؔ خدا کے سامنے
تو خم سرِ نیاز کر

دوسری منزل

خودُ کو نہ بَد حواس کر
رحمت سے اُس کی آس کر

اک سانس میں یہ حُکم ہے
خالی نہ تو گِلاس کر

بے ہُودہ طرزِ شوق میں
مَت زندگی کو ناس کر

شُکرِ خدا کو چھوڑ کر
خودُ کو نہ ناسپاس کر

عورت! وَجُودِ محترم
خودُ کو نہ بے لِباس کر

جو سَرزمینِ خیر ہے
اُس پر ہی بُود و باس کر

تخریب پر ہیں سب تُلے
عنبرؔ تُو ہی وکاس کر

(ہندی لفظ معنی ترقی)

تیسری منزل

عرفان کو تلاش کر
رازِ دروں کو فاش کر

ظلم و ستم کے زور پر
منظر نہ دلخراش کر

زندہ دلی سے زندگی
خود کو نہ مثلِ نعش کر

بعد از ادائے بندگی
فضلِ خدا تلاش کر

جب ہو حصولِ علمِ دیں
اُس پر عمل تو کاش کر

نصرت خدا کی آئے گی
دل کو نہ تو نراش کر
(ہندی لفظ معنی "[illegible]")

عنؔبر غرور اور انا
حکمت سے پاش پاش کر

چوتھی منزل

اثبات میں مقام کر
اور نفس کو غلام کر

صبر و رضا کو تھام کر
مشکل کا قتلِ عام کر

جان اور دیں پہ جب بنے
تلوار بے نیام کر

جام اور سبو کی صبح سے
مت زندگی کی شام کر

توقیر زندگی نبا
دل دوسروں کے تھام کر

انسان کو امان ہو
ایسا کچھ انتظام کر

عنؔبر جو گفتگو کبھی
کرنی ہو خوش کلام کر

پانچویں منزل

جب کر تو پھر ثواب کر
چھٹکارہ عذاب کر

وحدانیت کے نام پر
پیدا پھر انقلاب کر

شرم و حیا کو اوڑھ لے
خود کو نہ بے حجاب کر

گفتار کے سوال کا
کردار کو جواب کر

تقصیر اور گناہ سے
خود کو نہ آب آب کر

ماحولِ امن و آشتی
اتنا تو مت خراب کر

عنبرؔ ہو فکرِ آخرت
ہر روز کا حساب کر

چھٹی منزل

خود کو اٹھا پہاڑ کر
جھنڈے وفا کے گاڑ کر

ہستی کے گلستان کو
رکھ دینا مت اجاڑ کر

وہ دیکھتا ہے ہر گنہ
کیسی بھی کوئی آڑ کر

جو ہے مزہ بناؤ میں
ملتا نہیں بگاڑ کر

جور و جفا شدید ہو
تب بھی وفا کی آڑ کر

باطل کے پیچھے پیچھے اب
پڑجاؤ پنجے جھاڑ کر

عنبرؔ معاملات کو
کر آدمی کو تاڑ کر

ساتویں منزل

خُوش خلقی کا مزاج کر
اُیسے دِلوں پہ راج کر

تابعِ رُضائے حق کے ہی
ہر رَسم ہر رِواج کر

شاید مِلے نہ وَقت تو
کرنا ہے کل وہ آج کر

وَحدانیت کے نام پر
کر جو بھی اِحتجاج کر

اپنے لئے نہ صرف جی
کچھ خدمتِ سماج کر

پہچان لے خُودی کو تو
ٹھوکر میں تخت و تاج کر

عنؔبر مَتاعِ زیست ہے
محفوظ اپنی لاج کر

آٹھویں منزل

ہر دم خدا کو یاد کر
یوں زِندگی کو شاد کر

جانا قضا کی سمت ہے
اِس زِندگی کو لاد کر

تدبیر سے بھی کام لے
تقدیر کو بھی یاد کر

شاعر بِسک کے رو پڑے
اِتنی بُری نہ داد کر

دل میں خدا کی آس رکھ
غیروں کو تو نہ یاد کر

مُشکل میں ہو کوئی اگر
اُس کی مُراد شاد کر

عنؔبر حُصولِ علم بھی
ہر کام اُس کے بعد کر

نویں منزل

مئے خواری سے اِنکار کر
مَت زِندگی کو خوار کر

بازی دِلوں کی جیت لے
اپنے ہی من کو مار کر

سادی رہے ہلکی بھی ہو
مَت زِندگی کو بار کر

آساں ہے رَستہ دِین کا
اس کو نہیں دُشوار کر

وہ ہم ہی تھے بیٹھے رہے
دُنیا میں بازی ہار کر

مُختارِ کُل ہے جب خدا
مت غیر کو مختار کر

عنبرؔ سبھی بندے ہی ہیں
تو ہر کِسی سے پیار کر

دسویں منزل

صدقات دے ، خیرات کر
دریا دِلی کی بات کر

حق پر ہی جان و دِل لگا
اَبطال کی یُوں مات کر

بَس ماننا ہے دِین کو
مَت اس میں تاوِیلات کر

کچھ دُوسروں کا دَرد بھی
اَب شاملِ جذبات کر

بس حوصلے سے جھیل لے
ظاہر نہیں صدمات کر

حِکمت فِراست کو لئے
قابو میں ہر حالات کر

عنبرؔ تو پہلے تول لے
پھر سوچ کر ہر بات کر

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

چار منزلہ غزل

پہلی منزل

آج عِشوہ نہیں ہے ناز نہیں
کوئی نغمہ نہیں ہے ساز نہیں

یہ ہے محمودِ وقت کی دِقّت
کوئی ملتا اُسے اَیاز نہیں

بام پر صرف ہوتی سچائی
جھوٹ ہوتا تو سرفراز نہیں

جو ضمانت ہے کامیابی کی
وہ ہی ذوقِ عمل دراز نہیں

یہ صفت ہے خدا سے وابستہ
کوئی دُنیا میں بے نیاز نہیں

یہ تو بالکل کھلی حقیقت ہے
دینِ اِسلام کوئی راز نہیں

جب خدا کی عطا ہے فکرِ سخن
اس پہ عنبرؔ کو کوئی ناز نہیں

دوسری منزل

مانتے ہیں کہ وہ جمیل نہیں
پسِ کردار تو ذلیل نہیں

صرف ایماں دَلیل رکھتا ہے
شِرک کے پاس تو دَلیل نہیں

اَور شے سے مَفر ملے شاید
مَوت ہی دیتی کوئی ڈِھیل نہیں

جس سے اَرماں کی پیاس بُجھ جائے
ایسے پانی کی کوئی جھیل نہیں

زِیست سے مَوت تک عمل کے لئے
مہلتِ وقت تو قلیل نہیں

ہیں بگڑ جانے کے کئی باعث
بات بن جانے کی سَبیل نہیں

جیت کردار کے ہی پاس خبرؔ
اس سے بڑھ کر کوئی وکیل نہیں

تیسری منزل

جس میں قدروں کا احترام نہیں
اُس کو ملتا کوئی مقام نہیں

قید بے شک ہُوا بدن میرا
فکر تو میری زیرِ دام نہیں

زندگی تیز تر ہوئی ہے تو
کام آئے یہاں خِرام نہیں

برکتوں کا نہیں کوئی سایہ
ذِکر جب رَبّ کا صبح و شام نہیں

ہو عمل میں جو خدمتِ اِنساں
اِس سے بڑھ کر تو کوئی کام نہیں

یوں ہے بے چَین اَسپ ہستی کا
صبر کے ہاتھ میں لگام نہیں

وہ جو بندہ خدا کا ہے عنبرؔ
شُکر ہے نفس کا غلام نہیں

چوتھی منزل

کون کہتا ہمیں ملال نہیں
مُضطرب فکر اور خیال نہیں

خوف اللہ کا رہے دل میں
اِس سے بڑھ کے تو کوئی ڈھال نہیں

ذہن بننے کی بات ہے ورنہ
راستہ دین کا مُحال نہیں

جو بُنا حرص و عیش مستی کا
وہ نظر آئے ایسا جال نہیں

لُوٹ کر دوسروں کو جو حاصل
رِزق ایسا کوئی حلال نہیں

وہ جمال و کمالِ آقائی
جس کی ملتی کوئی مثال نہیں

وہ تو اِنساں نہیں ہے عنبر جو
دوسروں کا شریکِ حال نہیں

ذو قافیہ غزل

یقیں کے قتل کا ساماں ہیں وہم و گماں والے
جہنم کے ہی کیوں مہماں ہیں جنت نشاں والے

ہم اُوپر جا نہیں سکتے وہ نیچے آ نہیں سکتے
ہیں مشکل ہی، کہاں آساں ہیں اُونچے مکاں والے

خرد والوں کو کم عقلوں سے ملتی ہے توانائی
وہ چھائیں گے اگر ناداں ہیں سارے جہاں والے

خدا کو ہی بنا دیکھے جھکا دیتے ہیں سَر اپنا
اِسی اِک بات پر حیراں ہیں عشقِ بُتاں والے

جو ہیں فتنہ فسادی گرمیٔ حرکت اُنھیں میں ہے
زمانے میں مگر بے جاں ہیں اَمن و اَماں والے

عمل سے گفتگو سے یہ کِیا ثابت زمانے پر
وَفاداری پہ ہی قرباں ہیں ہندوستاں والے

سخن آرائی میں آگے رہے ہیں اِس لئے عنبر
سخن اور فن کی ہر پہچاں ہیں اُردو زباں والے

ذو قافیہ غزل

جب خدا سے ہی ہر اِک آس لگا رکھی ہے
ہر گھڑی اپنے لئے داس نما رکھی ہے

بات جو بگڑی ہوئی تھی تو رضائے حق سے
اپنے حق میں ہی اُسے راس بنا رکھی ہے

ناز پھولوں کے اُٹھانے کی نہیں تاب تو پھر
اپنے آنگن میں فقط گھاس اُگا رکھی ہے

اپنی بد عملی سے اور دِین کی ناقدری سے
ساری دُنیا کی بَلا پاس بُلا رکھی ہے

اِس لئے لوگوں میں عزت ہے پزیرائی ہے
دِل میں اَخلاق کی بُو باس بسا رکھی ہے

جس کے اِظہار کی جرأت نہ کبھی ہو پائی
اپنے سینے میں وہی آس دَبا رکھی ہے

دادِ فن پانے کی خاطر ہی جہاں میں عنبرؔ
ہم نے شعروں کی یہاں راس جدا رکھی ہے

ذو قافیہ بدلتی ردیف کی غزل

دن رات گزرتے ہیں اُس کے، حق کو ہی رقم کرتے کرتے
وہ موت کی جانب چلتا رہا، ایمان کا دم بھرتے بھرتے

دیتا ہے دِلاسہ راحت تو، مِلتی ہے تسلّی سے تسکیں
آرام کی جانب آتا گیا، بیمار کا غم گھٹتے گھٹتے

ہم کیسے بچیں اس لعنت سے جو آج جہاں میں پھیلی ہے
دہشت کے پجاری کرتے ہیں ہر ظلم و ستم چلتے چلتے

جب درد کا یہ لمحہ جاگے تو صبر و تحمل اپنائیں
یہ دور اچانک ہوتا نہیں ٹلتا ہے الم ٹلتے ٹلتے

تکرارِ عمل سے فیض ملے، ہے جہدِ مسلسل با برکت
منزل کے مقابل آ ہی گئے اِک ایک قدم بڑھتے بڑھتے

وہ کل کے لئے اِک خطرہ ہے جو آج دِلوں میں تنگی ہے
لوگوں کی تباہی بنتا ہے نفرت کا یہ بم پھٹتے پھٹتے

جو شعر و سخن میں ندرت ہے یہ فکر و بیاں کا صدقہ ہے
اِک عمر گزاری ہے آخر، عنبرؔ نے قلم گھستے گھستے

مختصر ترین بحر کی غزل میں قافئے کی تکرار کی غیر معمولی کاوش

آہِ بسمل ۔ قاتل قاتل
دُکھ سہتا ہے ۔ ہر دِل ہر دِل

اُس کو ڈھونڈا ۔ منزل منزل
نیکی کا سب ۔ حاصل حاصل

ہے قوم اپنی ۔ غافل غافل
قصے غم کے ۔ ناول ناول

کیوں نا قابل ۔ قابل قابل
یہ کس نے کیا ۔ بے دِل بے دِل

باتیں لگتی ۔ مہمل مہمل
ہم گھوم رہے ۔ ساحل ساحل

بھٹکی لیلیٰ ۔ محمل محمل
ہوتی ہے بلا ۔ نازل نازل

کاش ہم ہوتے ۔ عاقل عاقل
ترسیں آنکھیں ۔ آہل آہل

قرآں کردے ۔ کامل کامل
کاش ہم اُٹھتے ۔ تِل تِل تِل تِل

بہکے بہکے ۔ جاہل جاہل
غنچے مہکے ۔ کھِل کھِل کھِل کھِل

تارے لگتے ۔ جھلمل جھلمل
عنبر پڑھئے ۔ محفل محفل

غزل کیا ہے؟

غزل کہتی عنبر — غزل کہہ سخن ور

غزل بہتی ندیا — غزل گہرا ساگر

غزل ماہِ تاباں — غزل ہے منور

غزل قیمتی ہے — غزل لعل و گوہر

غزل تاج ہے تو — غزل سنگِ مرمر

غزل ہے نشہ تو — غزل جام و ساغر

غزل کب دبی ہے — غزل ہے اُجاگر

غزل تھامے دامن — غزل جب مقدر

غزل ذوقِ دل ہے — غزل شوق کا در

غزل پیر ہے تو — غزل ہے مُجاوِر

غزل نور ہے تو — غزل پھیلے گھر گھر

غزل بہہ کے ساگر — غزل ایسی گاگر

غزل کہہ سُخن ور — غزل کہتی عنبر

اُردو کی اہمیت

''سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے''

نغمۂ اُردو کا کوئی در کُھلا
یا کوئی تہذیب کا دفتر کُھلا

یہ زباں ''اُردو'' تو ہے شاہد نظر
اِس پہ ہے دُنیا کا ہر منظر کُھلا

یہ حیا اور شرم کی آئینہ دار
کس نے کب دیکھا ہے اِس کا سر کُھلا

وہ بھی اِس کے ہمنوا بن ہی گئے
دُشمنوں پر اِس کا جب تیور کُھلا

یہ مِٹانے سے کہاں مِٹ پائے گی
جاوِدانی کا یہ ہے جوہر کُھلا

یہ دماغوں میں بساتی تازگی
اِس کا تو ہر اِک اَثر دِل پر کُھلا

اِس کی بخشش نظم اور شعری غزل
اِس کے صدقے سے ہی تو عنبر کُھلا

فروغ اردو اور ارتقائے سخن

کے لئے کی گئی

~~[illegible] کاوش~~

شاہکار نظم

یہ نظم دماغی عرق ریزی کا شاہکار اور ذہنی کدوکاوش کا ایک نادر نمونہ بھی ہے اور تعمیری و اصلاحی فکر کا مظہر بھی جس میں پابندی یہ ہے کہ اشعار کی دونوں لائن میں حروف تہجی کی ترتیب کو قائم رکھتے ہوئے عرق ریزی کے ساتھ نفس مضمون کا ربط بھی قائم رکھا گیا ہے۔

یہ ذہنی کدوکاوش اور عرق ریزی کا ایسا نادر اور منفرد نمونہ ہے جس کی مثال شاید ہی اردو شاعری کی تاریخ میں مل سکے۔

الف	اک خدا پ
ب	بات یہ کیا
پ	پھر یہ ہوتا
ت	ترک کرکے
ث	ثبت کرکے
ج	جو کسوٹی پ
چ	چند لوگوں
ح	حسب حال
خ	خاص ہی قد
د	دوزخ اب
ذ	ذلت و رسوا
ر	راستی ہو کھو
ز	زاویے بدلو
س	سرد و گرم
ش	شرک آلودہ
ص	صاف ستھرا
ض	ضبط ہی کرو
ط	طرز ہستی

اے حسینِ اُردوئے دِل نشیں تِری سَر بلندی کے واسطے
جو اَثاثِ دِل مِرے پاس تھا تِری انجمن میں لگا دِیا